جلد 11 • شمارہ 11 / 2022

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہم دین

تبدیلی آنی چاہیے

راہِ الفت

نقاب میں انقلاب

عید کا تحفہ

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Baitussalam.org · Baitussalam_org · Baitussalam_org · +9221-111-298-111

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

مئی 2022

فہمِ وفکر

راہِ الفت	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ	08

مضامین

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ	احمد نور	10
نبوت کے دو نور رضی اللہ عنہما	ندا اختر	11
ناقابلِ فراموش	افراح خان	12
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	14
عید کا تحفہ	تسلیم شیخ	16
چہل قدمی	حکیم شمیم احمد	18

خواتینِ اسلام

سومیہ کی عید	سمیرا انور	20
نقاب میں انقلاب	بنتِ ایوب مریم	20
دیمک	قرأت گلستان	22
سازش	روبینہ عبدالقدیر	24
بلاعنوان	انعم توصیف	25
قیمتی متاع	فوزیہ شہزاد	26
تارِ نفس	ڈاکٹر ماریہ اشفاق	28
مسیحا کی ناانصافی	عاتکہ سلیم	30
حسنِ اخلاق	مہوش اسد شیخ	31
ہماری میراث	امِّ محمد عبداللہ	32

باغیچہ اطفال

عبید کی عید	احمد رضا انصاری	34
پورے چاند کی کہانی	حمیرا علیم	35
مکھن لگی روٹی	بنتِ مسعود احمد	36
سب سے اچھے میٹھے بول	سارہ عمر	37
ویل	فوزیہ خلیل	38
بچوں کے فن پارے		40
انعامات ہی انعامات		41

بزمِ ادب

بچوں تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے		42
درس جو رمضان کا ہے مت بھلاو مومنو!		42
پیامِ عید	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	ابوبکر، عبدالرحمن	44

اخبار السلام

اخبار السلام		46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

آرڈر بک کروانے کے لیے
0304-0125750

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

بیت السلام پبلیکیشنز
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہمِ دین (اردو)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
نیوز لیٹر (اردو و انگریزی)
سہ ماہی تبلیغات (انگلش)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

- تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دورانِ سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
- شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
- حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
- اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
- بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہنمائی
- اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہنمائی اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust baitussalamwelfaretrust Baitussalam
baitussalam_org 923162881088 Baitussalam_Org

راہِ الفت

یہ دُنیا سرائے خانہ ہے۔ جنت منزلِ حقیقی ہے۔ قبر پہلا زینہ ہے اور رمضان المبارک تربیت کا مہینہ اور بخشش کا بہانہ ہے۔ رمضان المبارک گزرا ہے، سانسیں ابھی باقی ہیں، غفلت کی گنجائش نہیں، رب کو منانا ہے اور قبر تک جانا ہے۔ زندگی مسلسل سفر ہے، سانسیں پگھلتی برف ہے، تقدیر سوال نامہ ہے اور بہترین تدبیر عمدہ جواب ہے۔ اختیار بندۂ مومن کے پاس ہے، جب تک سانس ہے، تب تک چانس ہے۔کوئی خوش قسمت بننا چاہے تو ضابطہ آسان ہے: جس رات میں خدا کو یاد کرے، وہی شبِ قدر ٹھہرے اور جس دِن میں خدا کو راضی کرے، وہی یومِ عید بنے۔ بندۂ مومن ہو، عاشق بھی ہو، محبوبِ حقیقی سامنے ہو، فرصت کی گھڑیاں بھی ہوں، راز و نیاز کی اجازت بھی ہو تو پھر شاعر کی زبانی خوشی کی انتہا دیکھیے

اُن کا ذکر، اُن کی فکر، اُن کی یاد ‏ ‏ ‏ وقت کتنا قیمتی ہے آج کل

اُکتاہٹ کیوں قریب پھٹکے! بوریت کاہے کو محسوس ہو! محبوب کی یاد سے تو طبیعت ہشاش بشاش ہو جانی چاہیے، دِل اور لگنا چاہیے، تھکاوٹ میں مزا آنا چاہیے۔ دیکھیں حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کیا فرما رہے ہیں:

قدم ہوں راہِ الفت میں تو منزل کی ہوَس کیسی ‏ ‏ ‏ یہاں تو عین منزل ہے تھکن سے چُور ہو جانا

کیاہم بندے نہیں ہیں؟ تو پھر بندے کا کام تو بندگی کرنا ہے اور کیا وہ رب نہیں ہے اور رب کا کام عطا کرنا ہے۔ ہمیں اپنا کام کرنا چاہیے۔ بندگی بڑی آسان ہے۔ جو ذمے لگا ہے، اللہ کے حقوق ہوں یا بندوں کے، بس وہ سر جھکا کر ادا کرتا جائے۔ ربِ کریم جو عطا کرے، اس پر ہمیں سراپا شکر بن جانا چاہیے۔ ایسا شکر ہو، جس میں شکوہ نام کو نہ ہو۔ یہی تو رضا بہ قضا ہے اور اسی کو شاعر نے یوں کہا:

نہ خوشی اچھی ہے اے دل! نہ ملال اچھا ہے ‏ ‏ ‏ یار جس حال میں رکھے، وہی حال اچھا ہے

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے ہمیں تین سبق دیے کہ ربِ لم یزَل پر ہمیں یقینِ محکم ہونا چاہیے، اور بندہ بن کر بندگی کرتے ہوئے ہمیں قبر تک عمل پیہم کرتے رہنا چاہیے اور اخلاق ہمارے محبت کے شیرے میں ڈوبے ہوئے دُنیا بھر کے لوگوں کے دِل موہ لینے والے ہونے چاہییں۔ یہ تین کام ہیں؛ایک کا تعلق عقیدے سے ہے، دوسرے کا تعلق بدن کو تھکا کر مسلسل اعمال کرنے سے ہے اور تیسرے کا تعلق دِل کی تربیت سے ہے۔ اقبالؒ کہتا ہے کہ یہ تین کام نہیں ہیں، بلکہ تین ہتھیار ہیں، جو زندگی کے جہاد کو کام یاب بنانے کے لیے ہر مومن کے پاس ہونے چاہییں۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم ‏ ‏ ‏ جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

قارئینِ گرامی! رمضان المبارک ابھی ابھی گزرا ہے، تربیتی مشق ابھی ابھی مکمل ہوئی ہے، ایمان ابھی پہلے کی بہ نسبت تروتازہ ہے، طبیعت پہلے کی بہ نسبت دینداری سے زیادہ مانوس ہے، کیوں نہ ہم یہ عہد کر لیں کہ کاروبارِ زندگی بھی چلتا رہے گا، لیکن رب سے تعلق بھی بحال رہے گا، اللہ والوں کی صحبت کو غنیمت سمجھیں، رمضان المبارک میں جہاں سے دین سیکھنے کا موقع ملا، پورا سال بھی وہاں رابطے کی کوئی نہ کوئی صورت ہونی چاہیے، کسی بھی دھندے میں ہوں، اذان کے الارم پر چلتے ہاتھ رک جائیں گے اور قدم خود بہ خود مسجد کی طرف اٹھ جائیں گے۔

من چاہی میں نفسا نفسی ہے، زندگی کی ہر کوشش سمٹ کر پیٹ کی جہنم بجھانے تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوگی کہ ساری دُنیا سے آدمی بیگانہ ہو اور گھر کے چند افراد کی خواہشات کے لیے شبانہ و روز کولھو کا بیل بنا ہو۔ اس کے برعکس خدا چاہی میں دوسروں کی فکر بھی ہے۔ میرا گھر، میرا خاندان، میرا محلّہ، میرا ملک اور میرے نبی ﷺ کی امت سب گم راہی کے فتنوں سے بچ جائیں۔ "سب سے پہلے میرا گھر" کے بجائے "سب سے پہلے خدا کا گھر"مقصدِ زندگی بن جائے۔ علمائے دین کا احترام ہو اور دین سیکھنے کا واحد ذریعہ منبر و محراب ہوتو پھر گیارہ مہینے بھی غفلت کے بجائے خدا کے قریب کرنے والے بن جائیں گے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ

فہمِ قرآن

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (138)

ترجمہ:منافقوں کو یہ خوش خبری سنا دوکہ ان کے لیے ایک دکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔ (138)

الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ
اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (139)

ترجمہ:وہ منافق جو مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ حالاں کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے۔ (139)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا
فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ
جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا (140)

ترجمہ:اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں، ورنہ تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔ یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھاکرنے والا ہے۔ (140)

الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ
وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ
وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا (141)

ترجمہ:(اے مسلمانو!) یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے (انجام کے)انتظار میں بیٹھے رہتے تھے، چناں چہ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملے تو (تم سے) کہتے ہیں کہ "کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟"اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو(ان سے)کہتے ہیں کہ "کیا ہم نے تم پر قابو نہیں پا لیا تھا؟"اور "کیا(اس کے باوجود) ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟"بس اب تو اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے اوران کے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہر گز کوئی راستہ نہیں رکھے گا۔ (141)

تشریح نمبر1:یعنی ان لوگوں کو اصل غرض دنیوی مفادات سے ہے، اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور مالِ غنیمت ہاتھ آئے تو یہ ان کے ساتھی ہونے کا دعوٰی کر کے ان سے مال بٹورنے کی فکر میں رہتے ہیں اور اگر کبھی کافروں کا داؤ چل جائے تو ان پر یہ احسان جتلاتے ہیں کہ اگر ہماری مدد تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو مسلمان تم پر غالب آ جاتے، لہٰذا ہمیں ہماری ان خدمات کا مالی صلہ دو۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا
كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا (142)

ترجمہ:یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دِکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں۔ (142)

تشریح نمبر2:اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جو سمجھ رہے ہیں کہ انھوں نے اللہ کو دھوکا دے دیا تو درحقیقت یہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں،کیوں کہ اللہ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا اور اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکے میں پڑا رہنے دیتا ہے جو انھوں نے خود اپنے آپ کو اختیار سے دے رکھا ہے اور اس جملے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "اللہ ان کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔"اس ترجمے کی بنیاد پر اس کا ایک مطلب بعض مفسرین(مثلاً، حسن بصریؒ)نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کو اس دھوکے کی سزا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس طرح دے گا کہ شروع میں ان کو بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ دور تک لے جایا جائے گا اور مسلمانوں کو جو نور عطا ہو گا، اسی کی روشنی میں کچھ دور تک یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ چلیں گے اور یہ سمجھنے لگیں کہ ان کا انجام بھی مسلمانوں کے ساتھ ہو گا، مگر آگے جا کر ان سے روشنی چھین لی جائے گی اور یہ بھٹکتے رہ جائیں گے اور بالآخر دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔

مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَآءِ
وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا (143)

ترجمہ:یہ کفروایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں۔ نہ پورے طور پر ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں، نہ ان (کافروں) کی طرف اور جسے اللہ گم راہی میں ڈال دے، تمہیں اس کے لیے ہدایت پر آنے کا کوئی راستہ ہر گز نہیں مل سکتا۔ (143)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ
اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (144)

ترجمہ:اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس اپنے خلاف(یعنی اپنے مستحق عذاب ہونے کی)ایک کھلی وجہ پیدا کر دو؟ (144)

فہم حدیث

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے، اس کے بعد ماہِ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: رمضان کا مہینہ اگر 29 ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے 30 روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے چھ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد 36 ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق 36 کا دس گُنا 360 ہوجا تا ہے اور پورے سال کے دن 360 سے کم ہی ہوتے ہیں۔ پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں چھ نفلی روزے رکھے، وہ اس حساب سے 360 روزوں کے ثواب کا مستحق ہو گا، پس اجرو ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے 360 دن برابر روزے رکھے۔

اگر حسنِ عمل کی توفیق ہو تو زندگی بڑی نعمت ہے

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ قَالَ أَيُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ

ترجمہ: ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ (ﷺ)! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاحیاب رہے گا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے اعمال اچھے رہے، پھر اسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ برا (اور آخرت میں زیادہ خسارےہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اس کے برے رہے۔ (مسند احمد)

تشریح: ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہو گی تو جتنی طویل عمر اس کو ملے گی، اسی قدر اس کے دینی درجات میں ترقی ہو گی اور اس کے برعکس جس کے اعمال و اخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے، اس کی عمر جتنی زیادہ ہو گی، اسی قدر وہ اللہ کی رحمت و رضا سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔

اپنے سے کم درجے والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی بناوٹ یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اس کو چاہیے کہ کسی ایسے بندے کو دیکھے جو ان چیزوں میں اس سے بھی کم ترہو (تاکہ بجائے حرص وطمع اور شکایت کے صبرو شکر پیدا ہو) (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح: انسان کی یہ ایک فطری کم زوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جومال و دولت اور دنیاوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال ہو تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے اور ان کے حال پر غور کرے جو مال و دولت، شکل و صورت اور عزّت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کم تر اور پس ماندہ ہوں، ان شاءاللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

دوسروں پر رحم کھانے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے، جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لیے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔ (بخاری و مسلم)

تبدیلی آنی چاہیے

رمضان کا مقدس مہینہ اپنے اختتام کو پہنچا اور بہت سارے خوش نصیب لوگوں کی زندگیوں میں خوش گوار تبدیلی لے کر آیا ہے۔ ایمان میں تازگی آگئی، نمازوں کا اہتمام بڑھ گیا، تلاوت کا معمول ہوچلا، اخلاقی کمزوریوں پر قابو پالیا، اللہ سے ایک تعلق بن گیا تو یہ علامت ہے کہ اللہ نے اس کا رمضان اور اس کی نیکیاں خوب قبول فرمائیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اسلام کو ایک درخت سے تعبیر فرمایا ہے۔ ایک درخت جس کی جڑیں مضبوط ہوں، گہری ہوں، تر و تازہ ہوں، تنا اچھا نکلا ہو، شاخوں میں زندگی ہو، پتوں میں ہریالی ہو، اس پر پھول کھلتے ہوں، پھل آتا ہو، یہ درخت جب کسی باغ میں کھڑا ہوگا تو چاہے وہاں ہزاروں لاکھوں درخت موجود ہوں لیکن یہ پہچانا جائے گا کہ یہ درخت کس چیز کا ہے۔ بچہ بھی پہچان لے گا اور نا واقف بھی۔ سبحان اللہ! جب مسلمان کے اسلام کے درخت میں بہار آتی ہے تو دنیا میں مشرق میں ہو یامغرب میں، شمال میں ہو یاجنوب میں، اپنوں میں ہویا بیگانوں میں، اس کی پہچان ہوجاتی ہے کہ یہ محمدی ہے یہ مسلمان ہے۔

اسلام اس کی ہر چیز اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جڑیں بہت اہم ہیں، اس سے بھی انکار نہیں کہ تنا بہت ضروری ہے، لیکن پھل کی بھی اپنی اہمیت ہے اور پھولوں کی بھی۔ کچھ مسلمان رمضان میں ایسا سفر بھی کرلیتے ہیں کہ ان کے اسلام میں بہار آجاتی ہے۔ جڑیں مضبوط ہوگئیں، تنا مضبوط ہوگیا، شاخیں خوبصورت نکل آئیں، پتے سرسبز ہوگئے اور اس کے اندر اسلام کی خوشبو پھوٹ پڑی اور اس کے اخلاق میں بڑی مٹھاس آگئی اور وہ بہت بڑھیا ہوگئے ۔ عمارت ہوتی ہے نا، اس کی ایک بنیاد ہوتی ہے، اس پر پھر دیواریں ہوتی ہیں، لیکن ظاہر ہے بنیاد ہو اور دیواریں بھی ہوں، مگروہ پھر بھی رہائش کے قابل نہیں بنتا، رہائش کے قابل بنتا ہے جب اس کے اوپر چھت بھی آجائے۔پھر کہتے ہیں کہ جی مکمل گھر ہے قابل رہائش ہے، دیکھنے میں بھی مکمل لگتا ہے، اب یہ مکمل ہوچکا ہے تو ایسے ہی ایمان ہے، اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، اخلاق اس کی چھت ہے۔ اس کے بغیر اس کے اندر خوبصورتی نہیں آتی، اسلام کے درخت کو مکمل نہیں کہتے، وہ قابل رہائش نہیں ہوتا، اس کے اندر کشش نہیں ہوتی۔

وہ خوش نصیب ہیں جنہیں رمضان ملا ہے۔ اب کس نے کس حد تک اس رمضان میں کمائی کی؛ پھلوں تک پہنچا ہے، پھولوں تک پہنچا ہے، شاخوں تک پہنچا ہے، کہاں تک پہنچا ہے؟؟؟ اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہنے لگا: یا رسول اللہ! میرا ایمان اورمیری ایمانی روح کس سطح کی ہے؟ یہ کیسے پتہ چلے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَ سَائَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ کہ جب تو نیکی کرے تو اندر سے خوشی ہو اور تجھ سے گناہ اور غلطی سرزد ہوجائے تو تجھے رنج و غم ہو۔ اگر تیرے ضمیر میں یہ حِس ہے تو سمجھ لے کہ ایمان کی روح بیدار ہے، ایمان کی روح میں زندگی آگئی۔ تو ہر آدمی جائزہ لے سکتا ہے کہ رمضان اسے کیا دے کر گیا ہے؟ الحمد للہ! ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ تو مل ہی جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: وہ بدبخت ہے جو رمضان کی گھڑیوں میں بھی خالی ہاتھ رہا، وہ بدنصیب ہے جس کی جھولی رمضان کی برکتوں اور رحمتوں سے بالکل خالی رہی، تو ہر مسلمان رمضان سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی آتا ہے۔ بنیاد کیا ہے اس کے اسلام کے درخت کی؟ بنیاد جڑ ہے۔ سب سے ابتدائی حصہ کیا ہے؟ تنا ہے۔ تنا ہی نا ہو تو شاخیں کہاں سے ہوں گی؟ پتے کہاں سے ہوں گے ؟پھول اور پھل کہاں سے آئیں گے؟پھر ادنیٰ درجہ جڑوں کی تازگی کا کیا ہے ؟ ادنیٰ درجہ یہ کہ اس کا تنا تو اس پر کھڑا ہو۔ تنا اس پر آجائے تو پھر تمام تر حسن اسی تنے پر کھڑا ہوگا، شاخیں، سبزہ ،پھول اور پھل تمام تر اسی پر کھڑا ہوگا۔ ابتدائی درجہ کیا ہے یہ تنا ہو۔سبحان اللہ! قرآن کہتاہے: اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِكَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِیۡنَ مسلمان کے اندر ایمان ہے، یعنی ایمان کے درخت کا تنا ہے، اس پر علامت کیا ہے؟ تو فرمایا: اس کا تعلق مسجد سے ہو، اس کا تعلق نماز سے ہو، یہ ابتدائی تنا ہے، اسلام کا تمام تر حسن اس تنے کے بعد ہے۔ ایسے ہی میرے عزیزو! اسلام کا تمام تر حسن نماز کے بعد ہے، نماز ہی کوئی نہیں، ایسا ہے جیسے تنا ہی کوئی نہیں، شاخیں کہاں سے آئیں گی؟ پھل کہاں سے آئے گا؟ پتے کہاں کھلیں گے؟ پھول کہاں کھلیں گے؟تو اسلام کا تنا نماز ہے، مسجد سے تعلق ہے۔

بارگاہِ خداوندی میں کچھ خصوصی لوگوں کی نشستیں لگیں گی اور یہ نشستیں اس دن لگیں گی جس دن سوائے ان نشستوں کے نہ سایہ ہوگا اور نہ کوئی ٹھنڈک ہوگی۔ خاص لوگ اللہ کے ہاں نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔ تو پوچھا گیا: یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہوں گے تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ان میں ایک طبقہ وہ ہوگا جس کا تعلق مسجد سے ہو، اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ مچھلی پانی میں تازگی محسوس کرتی ہے، مسلمان نماز میں زندگی اور تازگی محسوس کرتا ہے۔ مچھلی کو پانی سے نکال دیا جائے تڑپتی ہے۔ سبحان اللہ! مسلمان بھی ایسے ہی باہر تڑپتا ہے۔کب اللہ کے گھر جاؤں؟ اُن خاص نشستوں میں محشر کے میدان میں جہاں گرمی کی شدت ہوگی، آج کی گرمی برداشت نہیں ہوتی بھائی، لیکن وہاں کچھ خاص لوگوں کی نشستیں لگی ہوں گی، کہاں؟ اللہ کے عرش کے نیچے، اُن میں یہ خوش نصیب بھی ہوں گے۔ یہ ایمان کی سطح بھی مل جائے سبحان اللہ! پھر تازگی آنا شروع ہوجائے گی جڑیں صحیح ہوگئیں، تنا کھڑا ہوگیا، تازگی آنا شروع ہوجائے گی تو ادنیٰ درجہ اسلام کے اس درخت کا کہ میری زندگی کا تعلق مسجد سے ہو چلے۔

سویرے سویرے مسجد سے میری زندگی کا آغاز ہورہا ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے ایمان والا جب مسجد سے نکل کر اپنی زندگی کے مشغلے میں نکلتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے اور جو مسجد میں آئے بغیر بازاروں میں نکل کھڑا ہوتا ہے، دفتروں، فیکٹریوں، کارخانوں میں نکل کھڑا ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔ اللہ معاف فرمائے! کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی بھر جو جھنڈا اٹھایا ہے، اسی کے نیچے محشر میں کھڑا ہونا پڑے۔ جب مسلمان عید کے دن جوق در جوق عید گاہ کی طرف مسجدوں کی طرف تشریف لارہے ہوتے ہیں تو خوشی ہورہی ہوتی ہے۔ بڑی مسرت ہوتی ہے جب مساجد کا منظر دیکھتے ہیں جمعہ کے دن،بہار ہوتی ہے، لیکن ہائے کاش کہ یہی مسلمان اسی شوق و محبت اور اسی جوش و جذبے اور اسی ایمانی حرارت کے ساتھ سویرے سویرے فجر کی نماز میں بھی ایسے ہی مسجد میں تشریف لائیں۔ کیا خوب صورت زندگی کا سلسلہ شروع ہوگا!کہنے میں عید کے دن بھی وہ مسلمان ہی ہیں جمعہ کے دن بھی وہ مسلمان ہی ہیں تو روزانہ کا بھی تو مسلمان ہی ہے حالانکہ عید کی نماز فرض نہیں، واجب ہے، لیکن جوق در جوق مسلمان عید گاہ میں حاضر ہوتے ہیں، مبارک! مگر فجر کی نماز فرض میں؟؟؟

کیا ہم یہ منظر نہیں دیکھتے کہ فجر کی نماز کے آدھے پونے گھنٹے بعد صرف ابا نہیں بلکہ اس کی اماں بھی اور صرف اماں نہیں بلکہ ان کے بچے بھی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اسکول کے دروازوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف آدھے پونے گھنٹے کے بعد اسکول کے دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں دنیا کی تر و تازگی نے اس کے اندر جوش جذبہ حرارت پیدا کردیا۔ سویرے سویرے اس معصوم بچے کو اسکول کے دروازے پر لے گیا ۔ اللہ کرے ایمان کی بھی وہ تازگی پیدا ہوجائے کہ صرف آدھا پونا گھنٹہ پہلے ہم اپنے بچوں کے ساتھ اپنی بالغ اولاد کے ساتھ مسجدوں کے دروازوں پر کھڑے ہوں۔ اللہ خوش ہوجائے گا! ہماری بگڑی کہانی صحیح ہوسکتی ہے! بھائی مشکلوں میں پھنسی ہماری کشتی کنارے لگ سکتی ہے !ہمارے ہر طرف ٹوٹ اور پھوٹ اور تباہی کے نقشے کامیابی اور فلاح کے نشان بن سکتے ہیں! بس زندگی کا انداز بدل لیں۔

اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلا کرتا، جب تک قوم اپنی حالت خود نہ بدلے، تو اللہ کی مدد سویرے سویرے آتی ہے۔ یہ روتا ہے، پیٹتا ہے، بندش ہوگئی، یہ ہوگیا، فلاں نے یوں کردیا ،یوں مشکلیں ہیں ،یوں پریشانیاں ہیں، ہماری سنی نہیں جاتی۔ تنہائی میں ذرا بیٹھ کر یہ بھی تو سوچیں کہ میں نے اب تک اللہ کی کتنی سنی ہے؟ بیوی نہیں سنتی تو میں نے اپنے اللہ کی کتنی سنی ہے؟ اولاد نہیں سنتی تو میں نے اپنے اللہ کی کتنی سنی ہے؟ میرے ماتحت نہیں سمجھتے تو میں نے اپنے اللہ کی کتنی مانی ہے؟ کچھ ری ایکشن بھی تو ہوتا ہے، جیسے کیا ویسا ہی نتیجہ بھی تو آتا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے گھروں میں ہماری زندگیوں میں یہ خوشگوار تبدیلی آجائے کہ اب کچھ ہوجائے میری صبح کا آغاز مسجد سے اور نماز سے ہوگا۔مبارک ہیں آپ کی تجارتیں، مبارک ہیں آپ کی صنعتیں، مبارک ہیں آپ کی زراعتیں، مبارک ہیں آپ کی ملازمتیں، آپ کے کاروبار سب مبارک، لیکن میرے عزیزو! کچھ اللہ کا بھی تو حق ہے، کچھ اس مولا کی چاہت اور پسند ہے کہ تمہاری زندگی کا آغاز مسجد سے ہو، اللہ کے گھر سے ہو تو اللہ کرے بھائی رمضان کی یہ گھڑیاں ہمارے گھروں میں یہ تبدیلی لے کر آئیں، ہماری زندگیوں میں یہ خوشگوار تبدیلی نظر آئے، اللہ ہم سب کو ہمارے بچوں کو ہماری بچیوں کو ہمارے عورتوں کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

بقیہ

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ

”یہی عوامی خدمت گار صحیح معنوں میں کام کرکے عوام کو سہولت مہیا کرے اور دوسری جانب راشی، چور اور متعصّب اور لسانیت پرست کا نمونہ بن جائے۔“ غرض یہ کہ ”مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کے قریب ترین اور خدا کا محبوب ترین وہی ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے والا ہے۔“

خداکے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھِرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جسے خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

یہی تعلیم چاہے دینی ہو یا دنیاوی جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا دیا، اگر انسان کو انسانیت کا درس نہ دے، اس کو نرم دلی اور رحم کے جذبات سے آراستہ نہ کرے تو انسان کو حیوان بنتے دیر نہیں لگتی اور ذلت و رذالت کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہونا اس کے حق میں بعید از قیاس نہیں، آسماں کی چھت تلے بدترین مخلوق کا مصداق ہونا بعید نہیں رہتا اور لوگوں پر مصیبت و اذیت کا دروازہ بننا اس کی شان ہوجاتا ہے،مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے۔

کیا خوب کہا شاعر نے؎

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
شمشیر تو کیا نعرہ ٔ تکبیر بھی فتنہ

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ

اللہ رب العزت نے انسان کو تخلیق کیا تو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کیا اور وجۂ امتیاز عقل اور علم ہے۔ بظاہر دو الگ الگ سمجھ آنے والی چیزیں اپنے انجام میں ایک شے واحد کا درجہ رکھتی ہے۔
علم حاصل کرنا عقل کی کشادگی کا سبب ہے، یعنی عاقل تو وہی ہے، ”جو اپنی کارگر معلومات پر عمل کرے اگر اس کی معلومات سمندر ہوں اور عمل صفر ہو تو وہ عالم کیا عاقل کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔۔۔“
اللہ پاک نے ”ابو البشر“ کو علم عطا فرماکر ”مسجودِ ملک“ بنا دیا اور ابلیس کو علم کے تکبر کے باعث ”راندہ درگاہ“ کردیا۔
اس انسانی تخلیق میں ہی یہ راز پنہاں ہے کہ تواضع والا علم بلندی کا باعث ہے اور عمل کے بغیر علم گم راہی اور محرومی کو مستلزم ہے۔ملائکہ جوکہ نورانی مخلوق ہیں، ان میں سراسر اطاعت ہے اور شیطان جوکہ ناری مخلوق ہے، اپنی فطرت میں کبریا و بلندی کو سموئے ہوئے ہے۔حیوان اپنی فطرت میں جہالت وبے عقلی کا مظہر ہے، جبکہ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔ ملکوتی صفات اختیار کرے تو فرشتوں سے بڑھ جائے، شیطانی و حیوانی صفات کے راستہ پر گامزن ہوتو مخلوقات میں بدترین ہوجائے اور ”اسفل سافلین“ کا مصداق ٹھہرے۔
یہی راز ہے انسان وجن کے مکلّف ہونے کاکہ ان کو عقل وتمیز سے نوازا گیا جس کی مدد سے خیر و شر کا تعیّن کرکے جو راستہ اختیار کریں، اسی کی کھیتی انجام میں کاٹیں،نیکی ہمیشہ کی فلاح کا باعث ہے کہ لاکھوں کروڑوں سال کی زندگی تو ختم ہوسکتی ہے، مگر اخروی زندگی نہ ختم ہونے اور برائی ہمیشہ کی بربادی کا باعث۔
اسی لیے انسانی تخلیق میں یہی درس جن و انس کو دیا گیا کہ ”جو خدا کو مانے گا اور خدا کی مانے گا درحقیقت وہی علم رکھتا ہے اور جو خدا کو مانتے ہوئے اس کے حکم سے سرتابی کرے درحقیقت وہ جاہل ہے اور اپنے جہل سے جاہل ہے اور جہلِ مرکب کا مصداق ہے جس کی راہِ راست پر واپسی قریب بمحال ہے۔“
یہی عقل کا فساد بہت سے عقلا کو ان کی گم راہی میں بہت دور لے جاتا ہے اور ان کو شعور بھی نہیں ہوتا۔
اسی تناظر میں مسلمانوں پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا کہ ایسا علم حاصل کرے جو اس کو خدا کے احکامات پر صحیح طرز پر چلنے کا سلیقہ سکھائے اور اس کو انسانی حقوق کی ادائیگی کا شعور و احساس دلائے۔
خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے اور بندوں کے حقوق کی درست ادائیگی ہی علم کا مقصودِ اصلی ہے۔
اسی تعلیم کے صحیح مقصد کو اجاگر کرنے کے لیے اللہ نے انسانوں پر انبیا کو مبعوث فرمایا اور ہر نبی اپنی امت کا سب سے بڑا عالم ہوا کرتا تھا اور سب سے بڑھ کر صاحبِ عقل ہوتا تھا۔ان کی بعثت کا مقصد یہی ہوتا کہ انسان کو اس کی جہالت سے نکال کر علم کی روشنی سے سرفراز کیا جائے اور اس کو ذلت وگم راہی کی اندھیریوں سے نکال کر بلندی و ترقی کی روشنیوں سے مالامال کیا جائے۔
انسان کاشرف بھی اسی وقت ممکن ہے کہ جب وہ صحیح علم کی راہ نمائی میں اپنے خالقِ حقیقی کو پہچانے اوراسی کو عبادت کے ساتھ خاص کرے، اسی کو اپنا پالن ہار اور مددگار مانے اور یہی اس کے علم کی معراج ہے کہ ”جو جتنا زیادہ خدا کو پہچانے گا، اتنا بڑا عالم ہوگا اورخدا کی پہچان کی کسوٹی یہی ہے، اپنے دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد سمجھے اور اپنی ذات کے اندر یعنی عالمِ خودی میں غور و فکر کرکے اور اس کے توسّط سے عالمِ ارضی وسماوی کے فکری سمندر میں غوطہ زن ہوکر اپنے خالقِ حقیقی کو اس کے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے پہچانے، اسی لیے آخر میں کامل وافضل بشر کو بھیج کر رہتی دنیا کو بتادیا کہ انسان ہوتا ہے تو یہ ہوتا ہے اور انسانوں کے لیے انسان بننے کا معیار فراہم کردیا کہ کسوٹی و ترازو یہ شخص ہے جو کہ ”محمد ہے، احمد ہے، حامد ہے، محمود ہے۔“
اس بشرِ حقیقی کے فرامین کو مشعلِ راہ بنادیا فرمایا ”مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا، مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا“(مسلم، سنن کبریٰ للبیہقی)
خود خالق نے گواہی دے دی کہ ”آپ کو ہم نے تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔“(الحج) اور فرمایا کہ ”یقینا تحقیق آپ عظیم اخلاق کے مرتبے پر فائز ہیں۔“(القلم) اس سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑا معلّم اور عاقل وہی ہے جو خدا کی پہچان کے ساتھ مخلوق پر شفیق و مہربان ہو۔
اب یہی تعلیم جس کو ہمارا معاشرہ تعلیم کہتا ہے، اگرچہ شریعت اس پر ”علم“ کے بجائے فن و ہنر کا اطلاق کرتی ہے، اس کو تعلیم مان بھی لیا جائے تو یہ نتیجے کے اعتبار سے دنیا کے فائدے تک رسائی کا ذریعہ ہے، البتہ ضمنی طور پر یہ اُخروی فائدے کا بھی باعث ہے،اگر خدمتِ خلق اور رضائے باری تعالیٰ کی نیت سے مزیّن ومرشّح ہو۔
ڈاکٹر، انجینیر اور دیگر شعبہ جات اس کی واضح مثالیں ہیں، اگر ان میں خدمت و انسانی فلاح کے جذبے کار فرما ہوں، بصورتِ دیگر دنیا طلبی، خواہشات نفسانی اور شعوری بے راہ روی کے راستہ کی کوئی حدیں نہیں۔
”یہی ڈاکٹر اگر خدمتِ بنی نوع انسان کی نیت سے آگے بڑھے تو قوم کا مسیحا ٹھہرے، جبکہ دوسری طرف مال ودولت کا پجاری انسانیت اور انسانوں کا سرعام قتل کرے توکون اس کو پوچھنے والا ہے؟ اور اس کی سفید وردی کفن کی یاد دلائے نہ کہ امن کی۔“
”یہی وکیل و جج اگر انصاف کا بول بالا کرے تو لوگوں کو راحت، ورنہ سیاہ وردی ظلمت و اندھیری کی سیاہی کے مساوی بن جائے۔“
”یہی عالمِ دین اگر امت کی صحیح راہ نمائی کرے تو مصلح امت ٹھہرے جبکہ دوسری جانب اپنے فاسد نظریات کا پرچار کرنے والا لوگوں کی گم راہی اور امت میں تفرقہ کا باعث بنے۔“
”یہی حاکمِ وقت اگر ملک و قوم کی بہبود و فلاح کا مشن لے کر آگے بڑھے تو دنیا کو عدل و انصاف راحت و آشتی سے بھر دے، ورنہ ظلم کی بھٹی سلگاکر عوام کو جلاکر زندہ درگور کردے۔“

(بقیہ ص 9 پر)

نبوت کے دو نور

بعثت سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا عتبہ بن ابی لہب سے اور حضرت اُم کلثومؓ کا عتیبہ بن ابی لہب سے نکاح کردیا تھا، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی، پھر جب آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا اعلان کیا اور قبیلہ قریش کے لوگ آپ ﷺ کے دشمن بن گئے تو انھوں نے کہا کہ تم نے تو محمد (ﷺ) کا بوجھ ہلکا کردیا۔ اب اس کی بیٹیاں اسے لوٹا دو اور اس کا بوجھ بڑھادو۔ بس پھر کیا تھا! ابو لہب نے (تَبَّتۡ یَدَاۤ أَبِیۡ لَهَبٍ) نازل ہونے کے بعد اپنی دونوں بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دیں اور کہا کہ تم نے محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو میرا سر تم دوونوں کے سروں کے درمیان حرام ہے اور ان کی ماں (حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ) نے ان سے کہا کہ رقیہؓ اور اُم کلثومؓ اپنے مذہب سے پھر گئی ہیں، لہٰذا تم انھیں طلاق دے دو۔
رخصتی سے پہلے ہی ان دونوں نے انھیں طلاق دے دی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں باعزت اس بندھن سے آزاد کروادیا، جس سے ان دونوں کی تو عزت بڑھی، مگر ابی لہب کے بیٹوں کو ذلت اٹھانی پڑی اور آنحضرت ﷺ نے عتیبہ کے حق میں بددعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کے کتوں میں سے ہی ایک کتا اس پر مسلط فرمادے اور ایک روز جب وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان بے خبر سورہا تھا، ایک شیر نے اسے پھاڑ کھایا جبکہ عتبہ بعد میں اسلام لے آئے، جب عتبہ بن ابی لہب نے حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی تو حضرت عثمان بن عفانؓ نے ان سے نکاح کرلیا اور ان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔
آنحضرت ﷺ وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور بولی: یارسول اللہ (ﷺ)! میں نے آپ کے داماد کو بیوی کے ساتھ دیکھا ہے تو آپ نے دریافت فرمایا: تم نے انھیں کس حال میں دیکھا ہے؟
وہ بولی میں نے دیکھا کہ وہ ایک خچر پر اپنی بیوی کو سوار کرائے چلے جارہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے ہم راہ ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد عثمان وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت فرمائی۔
حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ہم راہ حبشہ سے واپس مکہ تشریف لائیں اور پھر دونوں ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے۔ مدینہ جاکر حضرت رقیہؓ علیل ہوگئیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آنحضرت ﷺ جنگِ بدر میں مصروف تھے۔ حضرت رقیہؓ کو خسرہ ہوگیا تھا، جس کے باعث حضرت عثمانؓ جنگِ بدر میں شریک نہ ہوسکے اور جس دن حضرت زید بن حارثہؓ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کام یابی و نصرت کی خوش خبری لے کر مدینہ آئے، حضرت رقیہؓ کا وصال ہوچکا تھا۔ ابھی سب ان کی تدفین میں مصروف تھے کہ حضرت عثمانؓ نے نعرۂ تکبیر کی آواز سنی تو انھوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے پوچھا: اسامہ یہ آواز کیسی ہے؟ دیکھا تو حضرت زید بن حارثہؓ حضورِ اقدس ﷺ کی اونٹنی پر سوار مشرکین کی ناکامی اور ہلاکت کی خوش خبری لیے چلے آرہے تھے، پھر جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت رقیہؓ کی قبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ہمارے گزر جانے والے عثمان بن مظعونؓ سے جا کر مل جاؤ۔ یہ سن کر ساری عورتیں حضرت رقیہؓ کے لیے رو پڑیں تو حضرت عمرؓ انھیں مارنے لگے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: آنکھ اور دل سے جو کچھ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور جو کچھ ہاتھ اور زبان سے ہو، وہ شیطانی عمل ہے۔ حضرت فاطمہؓ قبر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگیں تو آپ ﷺ اپنے کُرتے کے دامن سے ان کے آنسو پونچھنے لگے۔
حضرت رقیہؓ نہایت مناسب قد اور حسین صورت کی مالک تھیں۔ تاریخ میں ان کی خوب صورتی اور حضرت عثمانِ غنیؓ کی بے پناہ محبت کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں، حتیٰ کہ ان کی محبت ضرب المثل بن گئی تھی، جسے احسن ترین جوڑا دیکھنا ہو وہ رقیہؓ اور ان کے شوہر عثمانؓ کو دیکھ لے اور مسلمان مدّتوں اس مقولے کو بولتے رہے۔
حضرت رقیہؓ انتقال فرماگئیں تو آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے حضرت اُمِ کلثومؓ کا نکاح کردیا اور حضرت عثمانؓ ذی النورین کے لقب سے پہچانے جانے لگے، کیوں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیوں سے نکاح کیا تھا، ایک حضرت رقیہؓ اور دوسری حضرت اُم کلثومؓ۔
ذکر ہے کہ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بڑا افسردہ اور بے کل دیکھا تو ان سے دریافت کیا تم اتنے غمگیں کیوں نظر آرہے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: یارسول اللہ (ﷺ)! جو کچھ مجھ پر بیتی ہے کسی پر بھی نہیں بیتی ہوگی۔ میرے پاس جو رسول اللہ کی بیٹی تھی، اس کا انتقال ہوگیا۔ میرا سہارا مجھ سے چھن گیا اور میرے اور آپ کے درمیان ان کی وجہ سے جو رشتہ تھا، وہ بھی ٹوٹ گیا۔ ابھی یہ گفتگو ہوہی رہی تھی کہ آپ نے ان سے فرمایا: اے عثمانؓ! یہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر آئے ہیں کہ میں تمہارا نکاح اس کی بہن اُمِ کلثومؓ سے اسی مہر پر کردوں، پھر حضرت اُمِ کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کردیا گیا اور وہ انہی کے نکاح میں رہیں، یہاں تک کہ ۹ ہجری میں ان کا انتقال ہوگیا تو آپ نے فرمایا: اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں ان کا نکاح عثمانؓ سے کردیتا۔
حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ کو حضرت اُمِ کلثومؓ کی قبر پر بیٹھے دیکھا، درآں حال یہ کہ آپ ﷺ کی

ناقابلِ فراموش

مجھے بہت سے ضروری کام نمٹانے کے لیے آج شہر جانا تھا، اس لیے صبح سویرے ہی بس اسٹاپ پر پہنچ گیا۔ مطلوبہ بس آنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے اور میں شکر ادا کرتا سڑک کنارے کھڑا ہو گیا۔ دراصل میرے گاؤں سے نزدیکی قصبہ تھوڑے وقت کی پیدل مسافت پر واقع تھا اور صبح صبح شہر جانے والی صرف ایک ہی بس یہاں سے گزرتی تھی جو مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوتی تھی۔ میں بھی پیدل سفر کر کے وقت پر پہنچ چکا تھا، ورنہ بس نکل جاتی تو دوپہر تک مزید انتظار کرنا پڑتا۔ یہ تو بھلا ہو میرے پڑوسی کا جو کل ہی میرے لیے ٹکٹ بک کرا کر ساتھ لے آیا تھا، ورنہ اس وقت بس میں سیٹ والا ٹکٹ ملنا ناممکن تھا۔

جیسے ہی مطلوبہ بس سامنے سے نظر آئی، میں اشارہ دے کر اس کے رکنے پر تیزی سے بس میں سوار ہو گیا اور اپنا سیٹ نمبر دہراتے ہوئے سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میرے اندازے کے مطابق آج بھی بس مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ دوسری رو پر نظر پڑی تو ایک جوان خاتون اور اس کے ساتھ والی نشست پر درمیانی عمر کی ایک عورت بیٹھی تھی اور ان کے سامنے ایک کم زور سی بزرگ خاتون بس کی چھت میں نصب لوہے کے ہینڈل کو پکڑ کر کھڑی تھیں۔ بزرگ شکل سے کافی بیمار اور نڈھال نظر آ رہی تھیں۔ بعد میں پتا چلا وہ شہر اپنی بیٹی کے گھر جا رہی تھی۔

وہاں بیٹھی ادھیڑ خاتون نے ان بزرگ خاتون کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی جانب متوجہ کیا اور کہنے لگیں: ”خالہ آپ یہاں بیٹھ جائیں، میں کھڑی ہو جاتی ہوں۔“

”نہیں بیٹی! میرے پاس بس میں صرف انٹری کا ٹکٹ ہے، سیٹ والا ٹکٹ نہیں مل سکا۔“ بزرگ خاتون نے کم زور آواز میں جواب دیا۔

”میرے پاس بھی سیٹ ٹکٹ نہیں ہے، لیکن کسی نے بھی توجہ نہیں دی، اس لیے آپ خاموشی سے بیٹھ جائیں۔“ خاتون نے رازداری سے بزرگ خاتون کو اپنا کارنامہ سنایا او راسے اپنی جگہ بٹھا کر خود کھڑی ہو گئی۔

میں جو کان میں ہینڈ فری ٹھونسے بظاہر انجان بنا دونوں کی گفت گو سن رہا تھا، خاتون کی مکّاری پر اندر تک سیخ پا ہو گیا اور پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

چہرے سے کس قدر معصوم نظر آتی تھی اور بے ایمانی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اب نیکی کر کے اپنے ساتھ اس بزرگ خاتون کو بھی پھنسانے کے چکر میں تھی، چوں کہ سفر لمبا تھا، اس لیے اب میں بھی خاموشی سے آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے موسیقی سننے لگا۔ میرے ساتھ بیٹھے موصوف تو باقاعدہ نیند کی وادیوں میں اتر چکے تھے۔ کچھ دیر بعد ٹکٹ چیکر سب لوگوں کے درمیان راستہ بناتا اور ٹکٹ چیک کرتا آ رہا تھا۔ اس نے پہلے بزرگ خاتون کو سیٹ دینے والی عورت کا ٹکٹ چیک کیا، ٹکٹ چیکر کی آواز سے بزرگ خاتون کی آنکھ بھی کھل چکی تھی اور اب وہ بھی اسے اپنا ٹکٹ دکھا رہی تھیں۔

ٹکٹ چیکر نے ایک نگاہ خاتون کے ٹکٹ پر ڈالی اور پھر بزرگ کا ٹکٹ دیکھا تو اس کی آنکھوں میں حیرت اور کچھ الجھن سی اتر آئی تھی، جسے خاتون نے فوراً ہی بھانپ لیا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا۔

”آپ ایک نہایت ہی رحم دل انسان ہیں، اللہ آپ سے راضی ہو۔“ ٹکٹ چیکر کی آواز بہت مدہم تھی، لیکن اس کے الفاظ میرے کانوں میں پڑ چکے تھے، جسے سن کر عورت کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی جب کہ میرے دل پر منوں بوجھ پڑ گیا تھا۔

دراصل ایک کم زور بزرگ خاتون کو جگہ دینے کے لیے خاتون نے جھوٹ بولا تھا اور اسے اپنی جگہ بٹھا دیا تھا جب کہ خاتون کے ٹکٹ پر سیٹ نمبر درج تھا۔ ”بیٹی اور کتنا سفر باقی ہے؟“

بزرگ خاتون کے پوچھنے پر خاتون نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ”دو گھنٹے کا مزید سفر باقی ہے۔“

”بیٹی! تم کھڑی کھڑی تھک گئی ہوگی، اب بیٹھ جاؤ، میں کھڑی ہو جاتی ہوں۔“ بزرگ خاتون نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔

”نہیں خالہ! آپ بیٹھیے، مجھے لمبے لمبے سفر کی عادت ہے، دو گھنٹے کا سفر میرے لیے مسئلہ نہیں۔“ خاتون نے جواب دے کر اس بزرگ خاتون کو مطمئن کر دیا۔ بس تیزی سے اپنی منزل کی جانب چل پڑی تھی، میں اب بھی گم صم سا بیٹھا خاتون کی نیکی کو سوچ رہا تھا۔ جب دو گھنٹے کے بعد بس اپنے آخری اسٹاپ پر رک گئی اور سارے مسافر ایک ایک کر کے اترنے لگے۔ خاتون نے ایک نگاہ کھڑکی سے باہر شہر کی رونق اور چہل پہل پر ڈالتے ہوئے ایک ہاتھ سے کھڑکی کے اوپر لگے ریک سے کچھ نکالا، یہ ریک بس میں مسافروں کے سامان رکھنے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ خاتون اب بھی ایک ہاتھ سے لوہے کا ہینڈل پکڑے ہوئے کھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اپنی دونوں بیساکھیاں اتاریں اور انھیں دونوں ہاتھوں میں سنبھالتے ہوئے چہرے پہ اطمینان سجائے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے بس سے اتر کر لوگوں کے ہجوم میں گم ہو گئی۔

مجھ سمیت بس کے کئی مسافروں کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا اور حیرت کی زیادتی سے پھیلی ہوئی آنکھوں سے یہ ناقابلِ فراموش منظر دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس سے پہلے نیکی اور بھلائی کا ایسا منظر نہیں دیکھا تھا۔ وہ خاتون جا چکی تھی، لیکن کئی لوگوں کو ایک گہرا سبق دے گئی تھی۔

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

مصنوعی دانتوں اوراعضا کی صورت میں وضواورغسل کے احکام

سوال: وضو اور غسل کے سلسلے میں مصنوعی دانتوں اور جسم کے دیگر مصنوعی اعضا کا کیا حکم ہے؟یعنی اصل اعضاکی طرح ان کا دھونا اورپانی پہنچانا بھی ضروری ہوگا یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ مصنوعی دانت دوطرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو مستقل طور پر لگادیے جائیں اورپھر ان کو آسانی سے نکالا نہ جاسکے۔دوسرے وہ جو بنائے اس طرح جاتے ہیں کہ حسبِ ضرورت ان کا استعمال کیا جائے اورحسبِ ضرورت نکال لیاجائے۔

پہلی صورت میں یہ مصنوعی دانت اصل دانت کا درجہ رکھتے ہیں ،اس لیے ان کا حکم اصل دانتوں کا ہی ہوگا۔ وضومیں ان دانتوں تک پہنچانا مسنون ہوگا اور غسل میں فرض۔دانت نکالنے اورتہہ تک پانی پہنچانے کی ضرورت نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ فقہا نے اس طرح کے دانت لگانے یا دانتوں کو سونا چاندی کے تاروں سے کَسنے کی اجازت دی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس اجازت کا مطلب یہی ہوگا کہ ان کے اندرونی حصوں میں پانی پہنچانا ضروری نہیں۔

جبکہ دوسری صورت میں اس کی حیثیت ایک زائد چیز کی ہوگی ،یعنی غسل اسی وقت درست ہوسکے گا جب اس کو نکال کر اصل جسم تک پانی پہنچ جائے۔ اگرایسا نہ کیا گیا تو غسل درست نہ ہوگا اورچوں کہ وضو میں کلی کرنا سنت ہے اورفقہا کے نزدیک کلی سے مقصود پورے منہ میں پانی پہنچاناہے۔اس لیے ان دانتوں کو نکالے بغیر کلی کرنے کی سنت ادانہیں ہوپائے گی۔

مصنوعی اعضا کے احکام بھی اسی طرح ہوں گے جومصنوعی دانتوں کے سلسلے میں مذکور ہوئے،یعنی اگر اس کی بناوٹ اور وضع اس نوعیت کی ہو کہ جراحی(OPER-ATION)کے بغیر اس کو علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ان کی حیثیت اصل اعضا کی ہوگی ۔غسل میں اس پر پانی پہنچانا واجب ہوگا،اسی طرح اگر اعضا وضو میں ہو تو وضو میں بھی دھونا واجب ہوگا اوراگر ان کی نوعیت ایسی ہو کہ آسانی سے علا حدہ کیے جاسکتے ہوں تو غسل کے وقت اوراگر اعضائے وضو میں ہوتو وضو کے وقت اس حصے کو بھی الگ کرکے جسم کے اصل حصے پر پانی پہنچانا ضروری ہو گا۔اس کی حیثیت چھٹی انگلی کی ہے ،اس کو بھی اعضائے وضو میں مانا گیا ہے ۔

پیشاب کی نلکی سے پیشاب نکلنے کی صورت میں وضوکاحکم

سوال: کسی شخص کا آپریشن کیا جائے اورپیشاب کے باہر نکلنے کے لیے خصوصی نلکی لگادی جائے جس سے پیشاب آتا رہے تو اس نلکی سے پیشاب کے آنے کا کیا حکم ہے؟کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں وضو ٹوٹ جائے گا،اس لیے کہ نجاست متعینہ مقام سے نکلے یا کسی اور جگہ سے ،وہ بہرحال ناقضِ وضو ہے ،البتہ اگرمسلسل اس سے پیشاب آتارہے اورروکنے کی قوت ختم ہوجائے تو وہ معذورکے حکم میں ہوگا اورہر نماز کے وقت ایک بار وضو کرنے کے بعد جب تک اس کے علاوہ کوئی اور ناقضِ وضو پیش نہ آجائے یا نماز کا وقت نہ گزرجائے وہی وضو اس کے لیے کفایت کرے گا۔

طویل المیعاد ترقیاتی قرضوں کی صورت میں زکوۃ کا حکم

سوال: وہ شخص جو اپنی موجودہ مالیت کے اعتبار سے صاحبِ نصاب ہو،لیکن اس کے ساتھ ساتھ مقروض بھی ہو تو کیا یہ قرضہ زکوۃ کے واجب ہونے میں مانع ہوگا؟اگر مانع ہوتو نصاب میں سے قرض منہا (MINUS) کرنے کے بعد مقدارِ نصاب باقی نہ رہے تو کیا پھر بھی زکوۃ واجب ہوگی،نیز مائنس کرنے کے بعد بھی نصاب باقی رہ جائے تو اتنی مقدار زکوۃ سے مستثنیٰ ہوگی اوراگر قرض زکوۃ میں مانع نہ ہوتو پھر پورے مال میں زکوۃ اداکرنی ہوگی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں حنفیہؒ کے ہاں تفصیل یہ ہےکہ دَین (قرض) کی دوقسمیں ہیں: ایک وہ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو،یہ زکوۃ کے واجب ہونے میں مانع ہوگا جیسے کسی شے کی قیمت، اجرت وکرایہ، بیوی کا نفقہ، نیز زکوۃ،عشر وخراج جو اگرچہ اللہ کے لیے نکالاجاتاہے ،لیکن اس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتاہے۔ دوم وہ دَین (قرضہ) جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو، وہ زکوۃ کے واجب ہونے میں مانع نہ ہوگا۔ جیسے: نذر، کفارات اور حج وصدقہ فطر، قربانی اورحج کی مطلوبہ قربانی۔

دورِ حاضر میں تجارت اور کاروبار کے لیے ترقیاتی قرضوں کا رواج عام ہے جو طویل مدّت میں اورآسان اقساط پر اداطلب ہوتے ہیں۔ مقروض اس پیسے سے بڑے بڑے معاشی فائدے حاصل کرتاہے اور یہ رقم اس کے پاس جامد نہیں ہوتی ،بلکہ گردش میں رہتی ہے اورفقہا کی زبان میں یہ بالفعل مالِ نامی(وہ مال جس میں ظاہری یا قیمت کے طور پر بڑھنے کی صلاحیت ہو) کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر اس دَین (قرضہ) کو زکوۃ سے مانع قرار دیاجائے تو فقرا ہمیشہ اپنے حق سے محروم رہیں گے ،اس لیے جیسے بعد کے علما نے بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر عورتوں کے دَینِ مہر کو زکوۃ میں مانع نہیں مانا ہے ،یہ بات عین مناسب ہے کہ طویل مدّتی ترقیاتی قرضوں میں ہرسال کی اداطلب قسط کو اس سال زکوۃ سے مستثنیٰ قراردیاجائے اورباقی مالیت پر زکوۃ واجب قرار دی جائے۔اس پر فقہا کے اس جزئیہ سے بھی روشنی ملتی ہے، جس میں بیوی کے نفقہ کے دَین کو زکوۃ سے مانع نہیں مانا گیا ہے اوروجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ نفقہ ایک ساتھ واجب نہیں ہوتا،بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے واجب ہوتاہے۔

آن لائن کاروبار کاحکم

سوال: کیا اسلام میں آن لائن کام کرنا جائز ہے یا حرام؟آج کل پاکستان میں ٹریڈنگ کا کام بہت تیزی سے ہورہا ہے ، کیا اس سے جو پرافٹ حاصل ہوتاہے ،حلال ہے یاحرام؟

جواب: واضح رہے کہ آن لائن کاروبار میں اگر ”مبیع“(جو چیز فروخت کی جارہی ہو) بیچنے والے کی ملکیت میں نہیں ہے اوروہ محض اشتہار،تصویر دکھلاکر کسی کو وہ سامان فروخت کرتاہو (یعنی سوداکرتے وقت یوں کہے کہ”فلاں چیز میں نے آپ کو اتنے میں بیچی“وغیرہ) اوربعد میں وہ سامان کسی اوردکان، اسٹور وغیرہ سے خرید کر دیتاہو تویہ صورت بائع(بیچنے والے) کی ملکیت میں ”مبیع“ موجودنہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جو چیز فروخت کرنا مقصود ہو وہ بائع کی ملکیت میں ہونا شرعا ضروری ہوتاہے۔اس کے جواز کی تین صورتیں درج ذیل ہیں:

1. بائع ،مشتری(خریدار) سے یہ کہہ دے کہ یہ سامان میری ملکیت میں نہیں،اگر آپ کو چاہیے تومیں اسے خرید کر اتنی قیمت میں فروخت کرسکتاہوں ،یوں بائع اس سامان کو خرید کر اپنے قبضے میں لے کر باقاعدہ سوداکرکے مشتری کو فروخت کرے تویہ درست ہے۔
2. آن لائن کام کرنے والافرد یا کمپنی ایک فرد(خریدار) سے آرڈر لے اورمطلوبہ چیز کسی دوسرے فرد یا کمپنی سے لے کر خریدارتک پہنچائے اوراس عمل کی اُجرت مقرر کرکے لے تویہ بھی جائز ہے ،یعنی بجائے اشیا کی خرید وفروخت کے بروکری کی اُجرت مقرر کرکے یہ معالمہ کرے۔
3. اگر مبیع ،بائع کی ملکیت میں موجود ہو اورتصویر دکھلاکر سوداکیا جارہاہو توایسی صورت میں بھی آن لائن خریداری شرعًادرست ہوگی ،البتہ جواز کی ہر صورت میں خریدار کو مطلوبہ چیز ملنے کے بعد ”خیارِ رؤیت“ حاصل ہوگا،یعنی جب مبیع خریدار کو مل جائے تودیکھنے کے بعد اس کی مطلوبہ شرائط کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں اسے واپس کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اگرمذکورہ بالا جائز صورتوں میں سے کسی صورت کے مطابق کسی چیز کی خریدوفروخت ہوئی ہو تواس کا جواز ظاہر ہے اوراگر ممنوعہ صورت کے مطابق سودا ہوا توایساسوداکینسل کرنے کا حکم ہے، البتہ اگر مبیع خریدار کے قبضے میں آچکی ہو اوراس نے قیمت بھی اداکردی ہو تواب خریدار کی ملکیت مبیع پر ثابت ہو جائے گی، آیندہ شرعی احکام کا لحاظ رکھ کر سوداکیاجائے۔

نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ کرنسی ،سونا اورچاندی کی آن لائن خرید وفروخت شرعًا درست نہیں ہے ،کیوں کہ ان اشیا کی بیع درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہاتھ درہاتھ ہو اور مجلسِ عقد میں جانبین سے عوضین پر قبضہ پایاجائے۔

جدید مانع حمل طریقہ جیسےIUDکا استعمال کیساہے؟

سوال: آج کل وقتی طور پر حمل روکنے کاایک طریقہ چلا ہے جسے انگریزی میںIUD کہا جاتاہے۔اس میں ایک آلہ عورت کے رحم کے اوپری حصہ پر رکھ دیا جاتاہے۔ اس میں مرد یاعورت کی تولیدی صلاحیت کو ختم نہیں کیا جاتا،بلکہ ایک وقتی آلہ ہے ،جب چاہے لگالو اورجتنے دن بعد چاہے اتارلو۔ اس طریقے سے حمل روکنا جائز ہے یانہیں؟

جواب: واضح رہے کہ کسی بھی جائز ضرورت کے پیشِ نظر مانعِ حمل کی کوئی عارضی تدبیر اختیار کرنا ،جبکہ کوئی معالج بھی اس کا مشورہ دیتاہو،جائز اوردرست ہے،مگر بلاضرورت یا معاشی تنگی کی بنا پر عارضی یا مستقل مانعِ حمل تدبیر اختیار کرنا درست نہیں،جس سے احتراز لازم ہے۔

جدید ذرائع سے موسم کا حال معلوم کرنا

سوال: کیا موسم کی پیش گوئی معلوم کرنے کے لیے مختلف جدید اداروں سے رابطہ کرنا یا ان کے مہیا شدہ ذرائع استعمال کرنا جائز ہے؟ جیسے سناہے غالبًا کسی حدیث کی رُوسے نجومی کو محض ہاتھ دکھانا بھی حرام ہے۔برائے مہربانی رہنمائی فرمائیں!

جواب: واضح رہے کہ موسم کا حال یا اندازہ لگانے کے لیے جدید ذرائع استعمال کرنا یا کسی ادارے کی فراہم کردہ معلومات کو سامنے رکھ کر موسم کا اندازہ لگانا ناجائز نہیں ہے ،البتہ یہ اندازے ،ظن اور تخمین کے درجے میں ہیں،یقینی چیز نہیں،لہٰذا اگر کوئی شخص محض ظن کے درجے میں رکھتاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ رہا نجومیوں کو ہاتھ دکھانے کا مسئلہ توچوں کہ وہاں فسادِ عقیدہ کا پہلو واضح ہے، اس لیے شریعت نے اس عمل کو ناجائز کہا ہے۔

بقیہ

عید کا تحفہ

ہم اپنی بیٹیوں کو بیٹوں کی طرح رکھیں گے۔ تم ایسے ہی پریشان ہوتی ہو۔ یہ بات سُن کر وہ اکثر ہی کہتی تھی کہ مرد تو بیٹے کے خواہش مند ہوتے ہیں، پھر آپ کیوں نہیں تو وہ یہی کہتے تھے، جب ہمارے نبی ﷺ نے بیٹوں کی خواہش نہیں کی، اللہ سے کوئی گلہ نہیں کیا تو میں کون ہوتا ہوں گلہ کرنے والا! ! میں خود کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اللہ نے اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ رحمتوں سے نوازا ہے۔

بیٹیاں وہاں سے اُٹھ کر گئیں تو سعدیہ بیگم نے شوہر کی طرف دیکھااور بولی: ”معافی چاہتی ہوں۔ میں ایسے ہی اُن کی باتوں کی وجہ سے پریشان ہوگئی۔“ اُنھوں نے نظریں جُھکا کر کہا۔ عائزہ کے ہونے کے دو سال بعد اِن کے ہاں بیٹا ہوا تھا، مگر اُس کی زندگی ہی ایک سال تھی۔ بخار ہوا اور وہ فوت ہوگیا۔ بیٹے کو یاد کر کر کے وہ بہت روتی تھی۔

”ٹھیک ہے۔ ہماری قسمت میں بیٹا نہیں۔کوئی مسئلہ نہیں،لیکن اگربیٹیا ں ہیں تو اُن کی اچھی پرورش اوراُنکاخیال رکھنا تو ہم پر فرض ہیں ناں! تمہیں خود پر فخر ہونا چاہیے کہ تمہاری تین خوبصورت اورفرماں بردار بیٹیاں ہیں،کیوں لوگوں کی پریشانی لیتی ہو۔ پریشانی میں تمہیں کچھ ہوگیا تو تمہارے بچوں کو اِن لوگوں نے نہیں سنبھالنا، خوش رہا کرو اور مجھے اور بچوں کو بھی خوش رکھا کرو۔“سعدیہ بیگم کے شوہر نے اُن کا ہاتھ تھامتے ہوئے اُنھیں پیار سے سمجھایا تو آخر میں ناراضی سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

”آیندہ پریشانی نہیں لوں گی، وعدہ۔“سعدیہ بیگم نے مُسکرا کر کہا۔

”عید تحفہ ہے اور تحفے میں مُنہ میٹھا کیاکرتے ہیں۔“اُن کی تینوں بیٹیاں ہاتھوں میں شیر خورمے کے باؤلز پکڑتے ہوئےداخل ہوئیں تواُن دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بیٹیوں کی طرف دیکھا اور رب کا شکر ادا کیاکہ اُنھیں اللہ نےاولاد کی نعمت اور اپنی رحمتوں سےنوازاہے۔

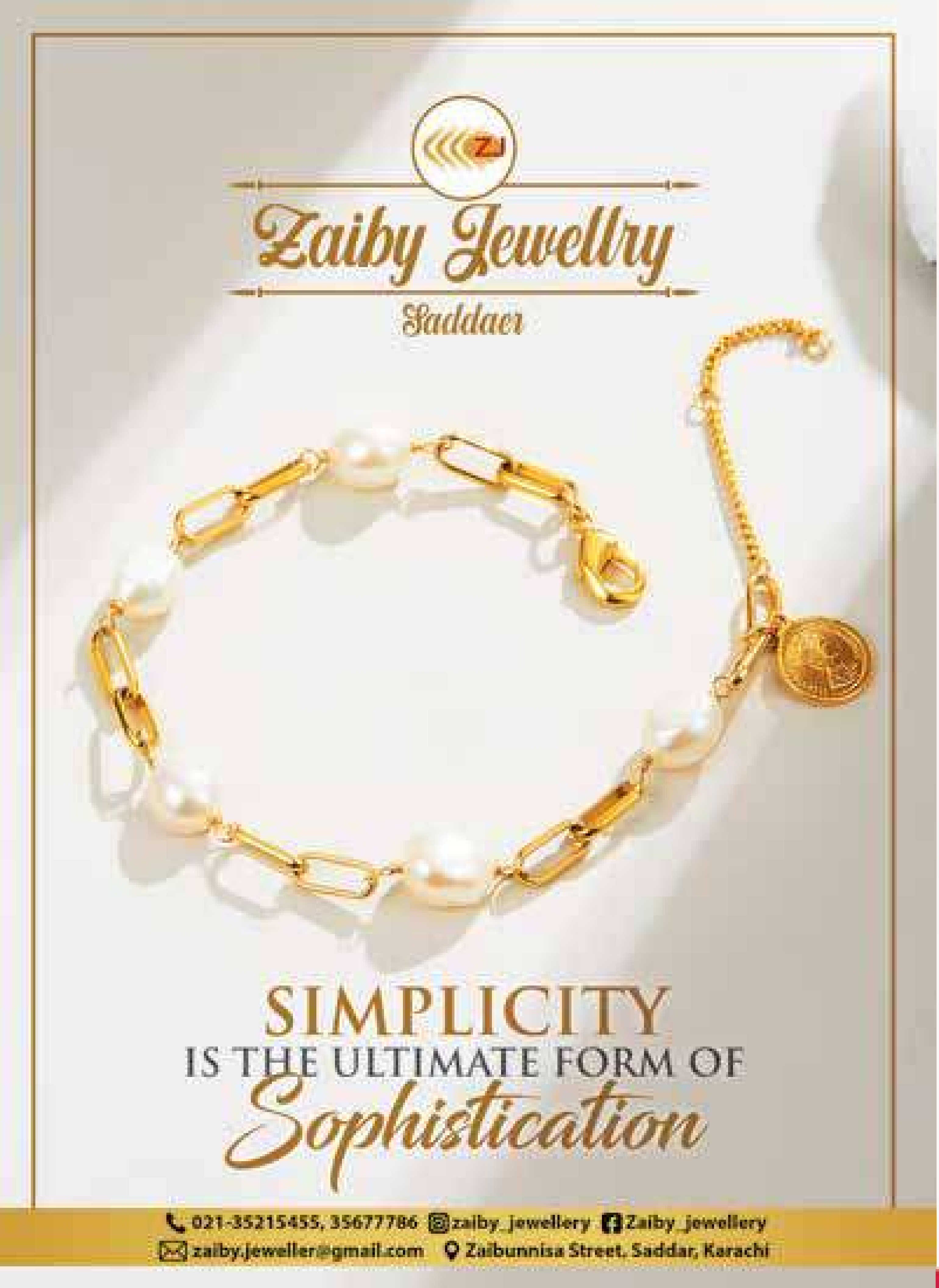

عید کا تحفہ

"مماجی! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہم آج عید کی نماز پڑھنے نہیں جاتے ہیں۔" عائزہ نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ وہ اپنی ماں کے چہرے پر آئے پسینے کو صاف کررہی تھی۔ بی پی لو ہونے کی وجہ سے اُن کے چہرے پر پسینے کی بوندیں نمایاں ہو رہیں تھیں، جسے وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے صاف کر رہی تھی۔

"بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔ ابھی اُٹھ کر فجر کی نماز پڑھوں گی تو بالکل ہی تندرست ہو جاؤں گی، تم فکر مت کرو" سعدیہ بیگم نے بیٹی کے پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے دِلاسا دیا۔ وہ لوگ ہر سال عید کی نماز پڑھنے بلدیہ گراؤنڈ میں جاتے تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس بار نہ جاتے۔

"اچھا ،آپ فجر کی نماز ادا کریں۔ میں اُتنی دیر میں آپ کے لیے انڈہ بوائل کر کے لاتی ہوں۔میری استاد کہتیں ہیں کہ بی پی لو ہو تو انڈہ کھانا چاہیے۔ اِس سے بی پی ٹھیک ہو جاتا ہے۔"ماں کو اُٹھاتے ہوئے اور اُن کے پاس جائے نماز بچھاتے ہوئے عائزہ نے کہا۔

"واہ، تمھیں یاد ہے بی پی لو میں انڈہ کھانے سے بندہ ٹھیک ہو جاتاہے۔"سعدیہ بیگم نے بیٹی کو پیار سے دیکھ کر پوچھا۔

عائزہ پڑھائی میں اچھی نہیں تھی، کیوں کہ وہ بہت سست تھی، مگر جب سے اُس کی دو جڑواں بہنیں ہوئیں، اُن دونوں نے اُسے ایسے آگے لگایا کہ اُس کے اندر پھرتی آگئی۔وہ دونوں آٹھ سال کی ہوگئیں تھیں۔ اُن دونوں نے ایک پل کے لیے بھی اِن ماں بیٹی کوسکون سے بیٹھنے نہیں دیا۔ دونوں افرا تفریاں کرتی رہتی تھیں۔اُن کے آنے سے یہ ہوا کہ عائزہ سستی اور کاہلی کو چھوڑ کر تیز اور توانا ہوگئی تھی۔ ہر کام کو اپنی مما کی طرح منٹوں میں کرنے لگ گئی تھی۔اُسے سبق بھول جاتا تھا، مگر اب اُسے سب یاد رہتا تھا۔ وہ بڑی بہنو کی طرح ذمہ دار بہن بن گئی تھی۔

"جی مجھے سب یاد رہتاہے۔ بڑی ہوگئی ہوں ناں۔"وہ ماں کو مسکراتے ہوئے جواب دے کر کچن میں چلی گئی۔

مما کے لیے دو انڈے بوائل ہونے کے لیے رکھ دِیے اور خود فجر کی نماز پڑھنے لگ گئی۔

وہ فجر کی نماز کے لیے ہی اُٹھی تھی، مگر وہ حیران تھی کہ اُس کی ماں نہیں جاگیں۔ اُسے تعجب ہوا اُس کی مما تو عید والے دن تہجد میں اُٹھ کر شیر خورمہ بنانے لگ جاتی تھیں، مگر آج کہاں ہیں؟

مما بابا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اُس کے بابا نے کہا۔

"اچھا ہوا بیٹا تم آگئی ہو۔ میں تمھیں جگانے کے لیے ہی آرہا تھا۔ میں نے تمھاری مما کو دودھ اور بسکٹ کِھلادیا ہے، اب اِنھیں میڈیسن دے دینا، میری فجر کی جماعت کہیں نہ نکل جائے۔ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔"

اُس نے "جی اچھا" کہا اور اب ماں کے لیے انڈے چولہے پر رکھ کرنماز پڑھنے لگ گئی تھی۔

"مما ہم پر کون سی عید کی نماز فرض ہے کہ جو ہم نے نماز پڑھنے لازمی جانا ہے۔ آپ ٹھیک ہو جائیں، ہم فرض نماز پڑھ لیں، وہی بہت ہیں۔ یہ تو نفلی عبادت ہے۔"بیٹی نے محبت سے دیکھتے ہوئے ماں سے کہا۔

"بیٹا! ہم نے پورے مہینے روزے رکھے اور روزے رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عید کا تحفہ عطا کیا ہے اور اگر ہم عید پڑھنے ہی نہیں جائیں گے تو ہم اللہ کے تحفے سے محروم ہو جائیں گے۔"سعدیہ بیگم نے بیٹی کو تفصیل سے پیار بھرے لہجے میں سمجھایا۔

"یعنی روزے داروں کو اللہ تحفے میں عید دیتا ہے؟"عائزہ جو کہ پندرہ سال کی تھی۔ ماں کی بات سُن کر خوشی سے ماں کی جانب دیکھا۔

"جی بالکل، ہمارا رب ہمیں عید اِس لیے دیتا ہے کہ ہم نے جو پورا مہینہ روزے رکھے اُس کے بدلے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے عید کی نماز ادا کریں اور رب سے دعا مانگیں کہ اللہ ہمیں ایسی اور عیدیں عطا کرے، ایسے مزید تحفے دے۔ عید والے دن، عید کی نماز کے بعد جو دعا سچے دل سے مانگیں، وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔" وہ لوگ ہر سال عید کی نماز پڑھنے جاتے تھے۔ ماں کی طبیعت کی وجہ سے اُس نے نہ جانے کو ترجیح دی، مگر جب ماں نے سمجھایا تو اُس نے تہیہ کیا اُسے یہ تحفہ حاصل کرنے ضرور جانا چاہیے۔

انڈے کھانے سے اُس کی مما کافی بہتر ہوں گئیں۔ وہ ،ماں اور بابا کے کپڑے اُن کی الماری سے نکال کر، اُن کے پاس رکھ کر باہر آگئی اور اپنی دونوں بہنو کوعید کی نماز کے لیے اُٹھایا۔ وہ دونوں اٹھنے میں سست تھیں۔ آج عید ہے اور عید کی نماز پڑھنے جانا ہے۔ اِسی خوشی میں دونوں خوش ہوتی ہوئیں اُٹھ گئیں۔

عائزہ نے دونوں بہنو کو نہلایا، تیار کیا، پیارا بنایا، پھر خو دنہانے چلی گئی۔ جلدی جلدی نہا کر اور تیار ہو کر آئی تو دیکھا مما کچن میں شیر خورمہ بنا رہیں تھیں۔

"آپ رہنے دیں، میں نماز پڑھ کر آکر بنا لیتی۔" عائزہ نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کرنا چاہا۔

"میری بیٹی نے صبح صبح میری اتنی خدمت کی ہے کہ میں تندرست ہوگئی ہوں۔" اُنھوں نے عائزہ کے ماتھے پر بوسہ لیا اور برتن سمیٹنے لگ گئیں۔ "جاؤ بابا اور بہنو کو لاؤ، عید کی نماز پڑھنے جاتے ہیں۔"

عائزہ سر ہلاتی ہوئی، اُن سب کو بُلانے چلے گئی۔ وہ سب لوگ عید کی نماز پڑھنے گئے۔ اُن کی تینوں بیٹیاں سب سے عید ملی۔اُن سے بھی جولوگ نہیں جانتے تھے۔

سعدیہ بیگم بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہیں تھیں۔

جب سب گھر آئیں تو وہ تینوں بابا سے عید لے کر خوش ہو رہیں تھیں۔ سبھی کے چہروں پر مَسرت تھی۔

جب عیدی مل گئی۔ عائزہ نے بابا کو بتایا کہ مما کا ٹینشن کی وجہ سے بی پی لو ہوا تھا۔

"کون سی ٹینشن۔"بابا نے بیوی کی طرف پریشانی سے دیکھ کر استفسار کیا۔

"کچھ نہیں ہوا۔کوئی ٹینشن نہیں لی۔ یہ ایسے ہی بول رہی ہے۔ جاؤ بابا کے لیے شیر خورمہ لاؤ۔"سعدیہ بیگم نے بیٹی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ایک گھنٹے پہلے بیٹی پر پیار آرہا تھا، مگر اب اُنھیں غصہ آرہا تھا۔

"بابا! وہ کل ایک آنٹی آئیں تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ تمھارا بیٹا ہو کر مرگیا، بس اب تو بیٹیاں ہی ہیں، مجھے نہیں لگتا کہ تمھاری قسمت میں بیٹا ہے۔ اُن کے جانے کے بعد مما نے بہت ٹینشن لی اور روئی بھی، آپ تو سو چکے تھے، مگر مجھے لگتا ہے مما نہیں سوئیں۔"عائزہ نے فکرمندی سے ماں کو دیکھتے ہوئے بابا کو بتایا۔

"نہ ہو بیٹا قسمت میں، میری بیٹیاں مجھے بیٹوں سے بڑھ کرعزیز ہیں۔ بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں، تمھاری ماں تو ایسی ہی ٹیشن لے جاتی ہے۔ تم تینوں میرا سب کچھ ہو۔" اُنھوں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے ساتھ لگایا اور بیوی کو گھور کر دیکھا۔ وہ اکثر ہی اُنھیں سمجھاتے تھے کہ بیٹا نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔

(بقیہ ص 15 پر)

چہل قدمی یا پیدل چلنا

حکیم شمیم احمد

جسم کو چاق و چوبند رکھنے والی بہتر ورزش چہل قدمی یا پیدل چلنا، ایسی بہترین ورزش ہے جو نہایت مفید ہونے کے ساتھ ساتھ بالکل مفت بھی ہے، کیوں کہ اس ورزش کے لیے نہ کسی کلب کی رکنیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی طرح کے آلاتِ ورزش خریدنے کی، کسی بکنگ یا ریزرویشن کے بغیر آپ جب چاہیں اور جہاں چاہیں چلنا شروع کر دیجیے۔ جتنی دیر دل چاہے چلتے رہیے اور جب دل بھر جائے یا ضرورت پوری ہوجائے تو رک جایئے۔ سمندر کے کنارے، پہاڑوں کی سطح مرتفع، سرسبز و شادات جنگل، کھلے میدان، شہروں کی بارونق سڑکیں اور تفریحی پارک، سب ہی چہل قدمی کرنے والوں کے لیے اپنے دامن کشادہ کیے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ بحری جہازوں کے عرشے، ریل گاڑی کے ڈبوں کے درمیانی راستے، طیاروں کی نشستوں کے درمیانی راستے، آپ کے اپنے مکان کی چھت، غرض کون سی ایسی جگہ ہے، جہاں یہ سیدھی سادی اور ہلکی پھلکی ورزش نہ کی جا سکتی ہو؟ پھر دیگر کھیلوں کی طرح اس ورزش کے لیے کسی ساتھی کی بھی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی مل جائے تو سبحان اللہ! ورنہ آپ خود اپنے بہترین ساتھی ہیں!

اہم بات: چہل قدمی کے لیے چوں کہ کسی مخصوص جگہ آنا جانا نہیں پڑتا، اس لیے وقت کی بچت ہوتی ہے۔ دوسرے اسے شروع کرنے سے قبل کسی قسم کی تیاری (وارم اپ) کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ورزشوں اور کھیلوں کی تمام اقسام میں چہل قدمی ہی ایسی ورزش ہے، جس میں چوٹ لگنے اور زخمی ہونے کے امکانات سب سے کم ہیں۔

چہل قدمی سے جسم چست و توانا: چہل قدمی ہی ایک ایسی ورزش ہے، جس کا مشورہ ہزاروں معالج اپنے لاکھوں مریضوں کو دیتے ہیں۔ خواہ وہ قلب اور پھیپھڑوں کے امراض میں مبتلا مریض ہوں یا جوڑوں کے درد اور ذیابیطس کے شکار افراد ہوں۔ دراصل چہل قدمی سے نہ صرف جسم چست رہتا ہے بلکہ امراض پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔

جدید تحقیقات

جدید تحقیقات کے نتیجے میں معلوم ہوا ہے کہ پیدل چلنا ذہنی دباؤ کوکم کر دیتا ہے۔ہم جب ورزش کرتے ہیں‌توہمارے دماغ سےایک خاص قسم کی رطوبت خارج ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ اس رطوبت کو ”انڈروفنس“ کہا جاتا ہے۔ یہ رطوبت اعصاب پر سکون بخش اثرات مرتب کرتی ہے، جس کے باعث ہمارا جسم اور دماغ دونوں سکون اور آرام محسوس کرتے ہیں، یہ رطوبت ایسی نشہ آور شے ہے، جسے ہمارا جسم خود بناتا ہے اور اس میں عام طور پر ملنے والی نشہ آور اشیا مثلاً افیون یا الکوحل وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ورزش یا چہل قدمی کے بعد نیند بہت اچھی آتی ہے۔

سست زندگی بسر کرنے کے عادی

بہت دیر تک بیٹھے رہنے، خصوصاً ایک ہی حالت میں بیٹھے رہنے سے اکتاہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ جسم کے جوڑ سخت ہوجاتے ہیں، عضلات میں درد ہونے لگتا ہے اور دورانِ خون سست ہوجانے کی وجہ سے اکثر پیروں پر ورم آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طویل سفر کرنے والے حضرات اکثر گردن اورکمر کے درد کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔جدید تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ سست زندگی بسر کرنے یا بہت دیر تک بیٹھے رہنے کے عادی لوگوں کی دماغی صلاحیتیں کم ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ایسے افراد اپنے ذہن کو کسی ایک مرکز یا معاملے پر مرکوز نہیں رکھ سکتے، جس کی وجہ سے ان کے لیے صحیح فیصلہ کرنا دشوار ہوجاتا ہے اور فیصلہ کرنے کے بعد بھی وہ گومگو کی کیفیت سے دوچار رہتے ہیں کہ آیا فیصلہ درست تھا یا نہیں۔

دوائیوں سے نجات: جو لوگ زیادہ پیدل چلتے ہیں، وہ بہت سی دواؤں سے بے نیاز ہوجاتے ہیں، مثلاً: خواب آور گولیاں، درد دور کرنے والی مسکن دوائیں، قبض اور بدہضمی سے نجات حاصل کرنے کے لیے گولیاں، حتیٰ کہ بعض سنجیدہ امراض میں مبتلا مریض جب زیادہ چہل قدمی کرتے ہیں تو اپنے مرض کو بھول جاتے ہیں۔ پیدل چلنے سے جسم کے عضلات اور رگ، پٹھے مضبوط رہتے ہیں۔ جسم میں دورانِ خون پوری طرح اور آسانی سے جاری رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں قلب پر بار کم پڑتا ہے، پھر یہ کہ جسم کے ہر چھوٹے بڑے حصے کو آکسیجن، کافی مقدار میں فراہم ہوجاتی ہے۔ کھانا سہولت کے ساتھ ہضم ہوجاتا ہے، چناں چہ نظامِ ہضم سے متعلق امراض لاحق نہیں ہوتے، جسم کے جوڑ کھلے رہتے ہیں۔ کسی قدر پسینہ آکر جسم سے غیر ضروری پانی اور نمکیات خارج ہو جاتے ہیں۔ پیدل چلنے سے جو جسمانی تکان ہوتی ہے، دماغ میں پیدا ہونے والی مخصوص رطوبت ”انڈروفنس“ خون میں مل کر اس تکان کو دور کردیتی ہے بلکہ نیند گہری آتی ہے، چناں چہ سو کر اٹھنے کے بعد تازگی کا احساس ہوتا ہے۔

ذہنی پریشانی اور اعصابی دباؤ سے حفاظت: زیادہ دیر بیٹھ کر کام کرنے یا طویل سفر کرنے والے لوگوں کو ہلکی ورزش اور چہل قدمی ضرور کرنی چاہیے، اگر کہیں چھٹیاں گزارنے یا تفریح کی غرض سے جائیں تو زیادہ سے زیادہ پیدل چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس طرح آپ پورے سکون و اطمینان سے ایک ایک چیز کو دیکھ سکیں گے اور ذہنی پریشانی اور اعصابی دباؤ سے محفوظ رہ سکیں گے۔ پھر جہاں تکان محسوس کریں یا کوئی خوب صورت قدرتی منظر سامنے آجائے، وہاں آپ اپنی مرضی سے جتنی دیر چاہیں بیٹھ کر آرام کر سکتے ہیں۔

جسم میں جمع شدہ حرارے (کیلوریز)

چہل قدمی ان لوگوں کے لیے بے حد مفید ہے جو اپنا وزن کم کرنے کے لیے آئے دن طرح طرح کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ چہل قدمی سے جسم میں جمع شدہ حرارے (کیلوریز) خرچ ہوجاتے ہیں، اگر آہستہ رفتار سے ہوا خوری کی جائے یعنی دو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تو ایک گھنٹہ میں 250 حرارے خرچ ہو جاتے ہیں۔ تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چہل قدمی کی صورت میں ایک گھنٹے میں 350 حرارے خرچ ہوں گے اور تیز قدموں سے چلنے یعنی تقریباً چار میل فی گھنٹہ سے چلنے کے نتیجے میں ہمارا جسم 400 حرارے ایک گھنٹے میں خرچ کر ڈالے گا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر اس طریقے پر عمل کرتے ہوئے 3500 حرارے خرچ ہوجائیں تو تقریباً ایک پونڈ جسمانی وزن کم کیا جا سکتاہے۔ یہ ضرور ہے کہ چہل قدمی کے نتیجے میں بھوک بھی بڑھتی ہے، لیکن بھوک میں یہ اضافہ اتنا نہیں ہے جس قدر کہ جسمانی وزن میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

چہل قدمی کا مفید وقت چہل قدمی کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن چار اوقات میں ٹہلنا، طبّی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے، یعنی صبح، شام، رات کے کھانے کے بعد اور رات کو سونے سے قبل۔ اب یہ دیکھیں کہ کس کے لیے چہل قدمی کا کون سا وقت مفید ہے۔ رات کھانے کے فوراً بعد ٹہلنا ان لوگوں کے لیے مفید ہے جن کا نظامِ ہاضمہ کم زور ہو، انھیں بھوک نہ لگتی ہو یا وہ قبض میں مبتلا ہوں۔ ضعیف اور کم زور افراد کو اورخصوصاً ان لوگوں کو بھی جو بیماری سے اٹھے ہوں، کھانا کھانے کے بعد ہی ٹہلنا چاہیے، لیکن جن لوگوں کا وزن بڑھا ہوا ہو، وہ فشارِ خون (بلڈپریشر) یا دل کے امراض میں مبتلا ہوں یا ان کے خون میں کولسٹرول کی زیادتی ہو، وہ خالی پیٹ چہل قدمی کریں۔ ایسے لوگ جنہیں نیند ٹھیک طرح نہ آتی ہو یا نیند کے عالم میں ڈراؤنے خواب نظر آتے ہوں یا کھانا کھانے کے بعد سینے میں جلن ہوتی ہو، انھیں چاہیے کہ وہ رات کو سونے سے قبل کچھ دیر ٹہل لیا کریں۔ ذہنی طور پر پریشان اور تفکرات میں گھرے ہوئے لوگ بھی اگر رات کو سونے سے پہلے تھوڑی سی چہل قدمی کر لیں تو اعصابی کشیدگی کم ہوجاتی ہے۔

ایک اور سہولت

سمندر کے کنارے رہنے والے لوگوں کو تو ایک اور سہولت میسر ہے، اگر وہ سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے پندرہ منٹ پہلے سمندر کے کنارے چہل قدمی شروع کردیں اور پندرہ منٹ تک جاری رکھیں تو ان کے جسم کو بڑی مقدار میں آکسیجن مل جائے گی، کیوں کہ ان اوقات میں سمندری ہوا میں نہایت لطیف آکسیجن موجود ہوتی ہے۔ یہ چہل قدمی خاص طور پر ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے، جن کے پھیپھڑے کم زور ہوں یا وہ تپ دق اور دمہ جیسے امراض میں مبتلا ہوں، خون میں سرخ ذرّات کی کمی کو بھی اس طرح کی چہل قدمی کے ذریعہ پورا کیا جا سکتا ہے۔

آسان سا اصول

کب تک چہل قدمی جاری رکھی جائے؟ اس کا سیدھا اور آسان سا اصول یہ ہے کہ جب تک آپ کا جسم بہت زیادہ تکان محسوس نہیں کر رہا اور آپ کا سانس غیر معمولی طور پر پھول نہیں رہا۔ آپ چہل قدمی یا کوئی اور ورزش جاری رکھ سکتے ہیں، لیکن جب آپ محسوس کریں کہ آپ تکان کا شکار ہورہے ہیں اور آپ کا سانس پھولنے لگا ہے تو چہل قدمی روک دیں۔ خاص طور پر دل کے مریضوں کو اس قسم کی علامات کے ظاہر ہوتے ہی یا سینے میں درد کا احساس ہونے پر نہ صرف چہل قدمی ترک کر دینی چاہیے، بلکہ ستانے کے لیے بیٹھ بھی جانا چاہیے۔

جُنیدامین

جُنیدامِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

نقاب میں انقلاب

عورت کہ جسے صنفِ نازک کہا جاتا ہے، اگر اپنا مقام پہچان کر حق لینے پہ ڈٹ جائے تو کوہِ گراں بھی گھبرا جائے۔ ناممکنات کی تمام تر وجوہات اسے خود راستہ بنا دیں۔ پامردی، استقامت، بہادری اور جرات کے ساتھ کامیابی قدم چومے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ملکِ پاکستان کے پڑوس ملک بھارت میں پیش آیا، جب جنونی انتہا پسندوں نے مسکان نامی اسلام کی بیٹی کو مہاتما گاندھی اوو ڈو پی کالج کے باہر حجاب اتارنے کے لیے گھیرا۔ ہمت و جواں مردی کے زیور سے سجی با کردار لڑکی نے بے خوف ہو کر بھیڑیوں کو للکارا اور حمیت و جرات سے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے کالج میں داخل ہوگئی۔ اس طرح لوگوں کو سڑک پہ خولہ کی شجاعت، صفیہ کی روایت، عمارہ کی جرات دیکھنے کو ملی۔ بلاشبہ یہ شجاعت اور جرات بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے کہ ایک چیز کو اختیار کریں اور پھر اس پہ ڈٹ جائیں۔

ہندوستان میں پیش آنے والا یہ ایمان افروز واقعہ بہت سی لڑکیوں کو شجاعت کا درس دیتے ہوئے حجاب ودین کی سربلندی کا بتاتا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے مطابق سب کو شخصی آزادی حاصل ہے اور حجاب مسلمان خواتین کا انتخاب ہے، جسے اتارنے کے لیے ہر گز دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا، لیکن عالمی حقوق کی علم بردار قومیں بعض اوقات یہ بھول جاتی ہیں کہ حجاب بھی عورت کی شخصی آزادی پر مبنی ہے۔ کسی عورت سے حجاب اترواکراس کی شخصی آزادی کوہر گز پامال نہیں کیا جا سکتا۔

دین پہ چلنا اور دین پہ ڈٹ جانا دونوں میں فرق ہے۔ دین پہ چلنے والا عابد جب کہ طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دین پہ ڈٹ جانے والا مجاہد کہلاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان ہر حال میں تعلیماتِ نبوی کے مطابق چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کے جذبوں کو ہرا نہیں سکتی۔ اسلام کا کلمہ فصلِ گل و لالہ کا پابند نہیں۔ اسے دل سے مان کر چلنے والے ہر حال میں شریعتِ محمدی پہ کار بند ہوتے ہوئے باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان طاغوتی قوتوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں تو شبستانِ وجود بھی لرز اٹھے گا۔ مسلمان کے مضبوط اعتقاد اور حمیت کے سامنے کفر کی طاقتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ اپنے محبوب نبی ﷺ کی محبوب امّت کو جگانے اور جگائے رکھنے کے لیے وقفے وقفے سے ایمان افروز واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، جس سے زنگ لگے ایمانی دل بھی خدائے وحدہٗ لاشریک کی کبریائی اورعظمت پہ دل سے گواہی دے کر دل میں ایمان کی تازہ کونپلوں کے کھلنے کا باعث بنتے ہیں۔ ایک ایمانی لہر سارے عالم میں دوڑ جاتی ہے اور دینِ مبین کو حرارت نصیب ہوتی ہے۔

غیور بیٹی مسکان خان بنت محمد حسین خان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا جس پہ صدر جمیعت علمائے ہند حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب نے پُر خلوص مبارک باد دیتے ہوئے اسلام کی بیٹی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ پورے عالمِ اسلام نے ڈھیروں داد دی اور جمیعت علمائے ہند نے بطورِ حوصلہ افزائی پانچ لاکھ روپے نقد انعام دینے کا اعلان کیا۔

جنگ میں لڑتا ہوا گلاب دیکھا　　لہولہان آنکھوں میں خواب دیکھا
کہیں گے لوگ یہ فخر سے صدیوں تک　　ہم نے نقاب میں انقلاب دیکھا

حجاب کہ جسے عورت کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ اسے احساسِ کم تری کا باعث بتایا جاتا اور محکوم و مظلوم قوم سے تصور کیا جاتا، لیکن آج بہت سی حجاب والی بہن بیٹیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ عورت حجاب میں مدرسہ، اسکول سے لے کر ہر شعبے میں قدم جما سکتی ہے۔ سائنس کے ہر شعبے میں کام یابیوں کا تاج پہن سکتی ہے۔ ہواؤں کو تسخیر کر سکتی ہے۔ خود اعتمادی سے بول سکتی ہے۔ اپنے جذبات کو الفاظ کا لباس پہنا سکتی ہے۔

یہ حجاب ہی ہے جو مسلمان عورت کودوسری خواتین سے ممتاز بناتا ہے۔ ہر درجے پہ کئی طرح کے اعزازات سے سرفراز کرتا ہے، لیکن تہذیبِ مغرب خواتین کے حقوق اور اسلام کی بخشی ہوئی عزت سے اسلام کی عورتوں کوانحراف پہ مجبور کرتا ہے۔ مغربی تہذیب نے آنکھوں کی حیا، کردار کی عصمت اوردوپٹے کے وقار کو عورت سے چھین کر بے حیائی کی ایسی دلدل میں پھینکنا چاہا کہ عورت نیم عریاں ہو کر خود کو جدید تہذیب سے منسوب کرتے ہوئے اسلام اور حجاب پسندوں کو دقیا نوسی گردانے لگی، لیکن الحمدللہ! مسکان اس دلدل میں کنول کے پھول کی طرح کھلی اور مغرب کی تہذیب بری طرح لڑ کھڑا گئی۔ اللہ تعالیٰ اسلام پسندوں اور حجاب اوڑھنے والی بہنوں کو اسلام کی تعلیمات پر چلنے اور حجاب پہ استقامت عطا فرمائے۔ آمین

سومیہ کی عید

یہ سسرال میں اس کی پہلی عید تھی۔ اس کا میکہ حیدرآباد میں تھا۔ سومیہ کا دل بہت اداس اور دکھی تھا۔ اسے امی، ابو اور بہن، بھائیوں کی بہت یاد آ رہی تھی۔ عید کی تیاریاں رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ہی شروع ہو جاتی تھیں۔ وہ گھر کی چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ ابو کی شہزادی اور امی کی دلاری بیٹی اپنی پسند کی شاپنگ کرتی۔ چوڑیاں کھنکھناتی وہ سارے گھر میں ٹہلتی۔ ابو جان سے، بھائیوں اور شادی شدہ بہنوں سے خوب عیدی لیتی۔ امی جان اس کی پسند کی کھیر چاند رات کو ہی بنا کر رکھ دیتی تھیں۔ مہندی بھرے ہاتھوں سے صحن میں مزے سے گھومتی شادی کے بعد تو زندگی ہی بدل گئی۔ ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ وہ شوخ و چنچل سی سومیہ کہیں کھوسی گئی تھی۔ ساس کے حکم کی تعمیل کر رہی ہوتی تو کہیں سسر کی خدمت میں مصروف ہوتی۔ چاند رات تھی۔ اس نے سارے گھر کی صفائی کر لی تھی۔ یہاں کسی کو کھیر پسند نہیں تھی، اس لیے اس نے سویوں کے لیے میوہ جات تیار کرکے رکھ لیے تھے، تاکہ صبح آسانی سے پکا سکے۔

”کوئی سا بھی جوڑا پہن لینا۔ شادی کے اتنے سارے کپڑے تو رکھے ہیں۔“ اس نے جب اپنے شوہر سے نئے جوڑے کی فرمائش کی تو انھوں نے ہنستے ہوئے ٹال دیا۔

”امی جان! مجھے اپنے سوٹ کے ساتھ میچنگ جیولری لینی ہے۔“ گزشتہ عید کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ ابو جان اسی وقت اس کے ساتھ بازار گئے اور اس کی پسند کی چیزیں دلا کر لے آئے۔ ابو سے فرمائش کر کے آئسکریم بھی کھائی تھی۔ چاند رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی اور اس کی آنکھوں کی برسات بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اگر سسرال میں ویسی ہی محبت اور مان ملے تو ماں باپ کی اتنی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اس کے دل میں بدگمانیوں کے بادل منڈلانے لگے۔

عید کی صبح روشن تھی۔ ساس حسبِ معمول ذکر و اذکار میں مصروف تھیں۔ سسر بھی عید کی نماز کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے بھی اسے دعاؤں سے نہ نوازا۔ شوہر بھی عید کا جوڑا پہنے تیار تھے۔ سومیہ بجھے دل کے ساتھ خاموشی سے باورچی خانے میں اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی۔

(بقیہ ص 23 پر)

دیمک

قرات گلستان

پانچ ہزار کے کڑکڑاتے نوٹوں کو افضل نے ایک بار پھر گنا اور تسلی کرکے ربڑ بینڈ لگاکر بڑی سی الماری کا بڑا والا دروازہ دھاڑ سے کھولا۔
”دیکھ فضیلہ وقت ایسا ہے کہ کسی سے پانچ روپے بھی ادھار مانگنے جاؤں تو نہیں ملنے کے۔“افضل نے نیچے بیٹھتے ہوئے پیچھے بیٹھی اپنی بیگم سے کہا۔
”اور نہیں تو کیا، ایک یہی تو عادت اچھی ہے آپ کی کہ پیسہ اڑاتے نہیں جوڑ جوڑ کر رکھتے ہو۔“فضلہ نے پالک کی جوڑی بناتے ہوئے مصروف انداز میں کہا۔
”اب یہ پیسے ہیں ناں! تو اپنے کو کوئی فکر نہیں۔ کبھی بُرا یا بھلا وقت آجائے بس یہ الماری کھولی، پیسے نکالے اور دیا وقت کو دھکا۔“افضل نے الماری کے سب سے نچلے حصے جس پر فالتو کاٹھ کباڑ اور افضل کے اوزار پڑے تھے، ان کو ہٹا کر دروازہ اوپر کی طرف کھولا اور نوٹوں کی گڈی اس گہرے گڑھے میں ڈال دی، جس کا کسی کو گمان بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ یہاں بھی سامان یا قیمتی چیز رکھنے کی جگہ ہوسکتی ہے۔
آخر کو وہ خود ماہر کارپینٹر تھا۔ اُس نے اتنی خوب صورتی اور ہوشیاری سے الماری میں یہ جگہ بنائی تھی کہ چور کیا چوروں کا سردار بھی نہیں پتا لگا سکتا تھا کہ زمین کا اوپری حصہ صاف کرکے ”چور خانہ“ بنایا گیا ہے، جس تک کوئی چور بھی نہیں پہنچ سکتا۔
”بس دعا ہے اللہ بھلا وقت ہی لائے۔ محنت کی کمائی ہے، برسوں کی جمع جوڑ ہے۔ اللہ صحیح جگہ لگوائے۔“فضیلہ نے دل سے دعائیہ الفاظ ادا کیے۔
”آمین ۔۔۔ آمین!“افضل نے جھٹ سے دروازہ بند کرکے سامان واپس رکھا،الماری کا دروازہ بند کیا اور اپنے اوزار کا تھیلا کندھے پر لٹکا کر خدا حافظ کہہ کر گھر سے نکل گیا۔

محلے کی مسجد کے امام صاحب کے گھر میں ہفتہ وار تعلیم ہوا کرتی تھی، فضیلہ اس میں ضرور شرکت کرتی۔ آج بھی وہ تعلیم کا وقت شروع ہونے سے پانچ منٹ پہلے ہی پہنچ گئ تھی۔ امام صاحب کی بڑی بیٹی حال ہی میں مقتیہ بنی تھی۔ ثریا باجی اس کو گھیر کر بیٹھی تھیں۔ فضیلہ بھی ان کے پاس ہی جاکر بیٹھ گئی۔
”بیٹی !ہم نے تو ساری زندگی اپنی دادی اور پھر والدہ سے یہی سنا کہ ساڑھے سات تولہ سونا اور باون تولہ چاندی اگر ہو تو زکوۃ ہے۔ آپ کی بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔“ثریا باجی امام صاحب کی بیٹی سے کہہ رہی تھیں۔
”خالہ! دراصل سونا بہت مہنگا ہوگیا ہے ناں اور چاندی کی قیمت اس کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اب دو تولہ سونے کی قیمت باون تولہ چاندی کی قیمت سے تو زیادہ بنتی ہے، پھر اس کے بعد آپ کے پاس کچھ رقم بھی ہے۔ وہ رقم جب سونے کے ساتھ ملے گی تو بھی زکوۃ دینی پڑے گی۔“ ندا نے محبت سے ثریا خالہ کو سمجھایا تو وہ اثبات میں گردن ہلانے لگیں۔
”تو بیٹا !کیا ضروری ہے ابھی رمضان میں ہی تو زکوۃ نکالوں؟“ ثریا خالہ نے ایک اور سوال کیا۔
”نہیں خالہ! یہ بالکل بھی ضروری نہیں ہے۔زکوۃ سال گزرنے کے بعد نکالنی ہوتی ہے،جب آپ کے مال پر سال گزرگیا،آپ کو اسی وقت زکوۃ نکالنی ہے۔ رمضان کے انتظار میں تاخیر کرنا ہرگز مناسب نہیں۔“ندا نے کہا تو ثریا خالہ پھر سوچ کے انداز میں گردن ہلانے لگیں۔ تعلیم کا وقت شروع ہوگیا تھا۔ ندا تعلیم کرنے لگی آج تعلیم کا موضوع بھی زکوۃ ہی تھا،کیوں کہ رمضان المبارک کی آمد آمد تھی اور اکثر خواتین چاہتی تھیں کہ زکوۃ کے موضوع پر بات کی جائے۔

”جس کے پاس مال ہو اور وہ اس کی زکوۃ نہ نکالتی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی گناہ گار ہے۔ قیامت کے دن اس پر بڑا سخت عذاب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جس کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ اس کی زکوۃ نہ دیتا ہو تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی، پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کرکے اس کی دونوں کروٹیں اور پیشانی اور پیٹھ داغی جائیں گی اور جب وہ ٹھنڈی ہوجائیں گی تو پھر گرم کی جائیں گی اور آقا ﷺ نے فرمایا، جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے زکوۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال بڑا زہریلا گنجا سانپ بنایا جائے گا، وہ سانپ اس کی گردن میں لپٹ جائے گا، پھر اس کے دونوں جبڑے نوچے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں۔ میں ہی تیرا خزانہ ہوں ،اللہ کی پناہ۔“ندا نے دو حدیثیں بیان کی تو عورتوں کا مجمع توبہ استغفار کرنے لگا۔
پینتالیس منٹ کی اس تعلیم کو سننے کے بعد خواتین بہت کچھ سوچنے اور حساب کتاب لگانے میں مصروف ہوگئی تھیں۔ فضیلہ بھی سوچ رہی تھی کہ صاحب نصاب تو وہ بھی ہیں، کیوں کہ شادی کے وقت دو تولے سونے کا سیٹ افضل کی ماں نے اسے دیا تھا اور ایک تولہ سونا اور دس تولہ چاندی اسے جہیز میں ملے تھے اور رہے سلامت افضل ماشاءاللہ، پیسہ تو اُس نے بہت جوڑ رکھا تھا۔ آج سے پہلے تو کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ ہم پر زکوۃ بھی لگتی ہے۔ فضیلہ سارا‌ےراستے سوچتی سوچتی آئی تھی۔ اسے جلدی تھی کہ شام ہو افضل گھر آئے اور وہ اس سے تفصیل سے یہ بات کرے۔

”باؤلی ہوگئی ہے تو۔“افضل نے اُس کی ساری بات تحمل سے سننے کے بعد چائے کی چسکی بھر کے کچھ اس انداز میں کہا کہ فضیلہ حیران ہوگئی۔
”ہم محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں، دل مار کے پیٹ کاٹ کے دو چار پیسے اس لیے جمع کرتے ہیں کہ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اور رہی بات زیور کی تو شادی کو تیرہ سال ہوگئے،تیرہ بار بھی تو نے زیور پہنا ہو تو بول۔“افضل نے سوالیہ انداز میں فضیلہ کو دیکھا۔
”تیرہ کا تین بار بھی پہنا ہو تو یاد نہیں۔ حالات کہاں ہیں، سونا چاندی پہننے جیسے؟“فضیلہ نے کانچ کی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے یاسیت سے کہا۔
”وہ تو امانت کی طرح رکھا ہے، کل کو بچیاں بڑی ہوجائیں گی تو دینے میں کام آئے گا۔ امانت پر کاہے کی زکوۃ۔“ فضیلہ جو سارے دن سے زکوۃ نکالنے کی فکر اور حساب کتاب کررہی تھی افضل کے سمجھانے سے کچھ اور ہی سمجھنے لگی، دراصل یہ افضل نہیں شیطان تھا جو دونوں کو سمجھا رہا تھا اور ہاں یہ بتا تو نے باجی سے کسی قسم کا سوال تو نہیں کیا؟“ افضل نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”مطلب؟ کیسا سوال؟“ فضیلہ نے نا سمجھتے ہوئے افضل کو حیرانی سے دیکھا۔
”مطلب یہی کہ پیسوں کے متعلق؟“
”ہاں، پوچھا تھا کہ برے بھلے وقت کے لیے کچھ رقم جمع کرکے رکھی ہوئی تو زکوۃ دینی پڑے گی، اس نے کہا:ہاں دینی پڑے گی۔ اگر رقم کو سال ہوچکا ہے تو۔“ فضیلہ نے سچائی سے کہا۔
”سدا کی بھولی ہے تو محفل میں بیٹھ کر ایسی باتیں نہیں کرتے ،آج کل بس کسی کو پتا چل جائے کہ فلاں کے پاس پیسے ہیں، فوراً اُدھار مانگنے لگتے ہیں۔ اب تو نے محلے کی عورتوں کے سامنے پوچھا یہی عورتیں اپنے اپنے گھروں میں جاکر بات کریں گی، تھوڑے دن نہیں جائیں گے کوئی نہ کوئی ادھار مانگنے کھڑا ہوگا۔ اور میں تو کسی کو نہ ادھار دینا پسند کرتا ہوں نہ لینا۔ اللہ نہ منگوائے، اُدھار لینے جاؤ تو غربت کی لمبی کہانیاں سنو اور اگر کسی کو دے دو تو واپسی کی امید نہ رکھو۔ جج بن کر تاریخ پر تاریخ دیے جاتے ہیں۔“افضل نے چائے کا کپ فضیلہ کی طرف بڑھایا اور اندر کمرے میں چلا گیا۔
چائے کے برتن دھوتے ہوئے فضیلہ بہت کچھ سوچ رہی تھی۔

گزشتہ تیرہ سالوں کی طرح یہ سال بھی بغیر زکوۃ نکالے گزر گیا، بس فرق صرف یہ تھا کہ پہلے پتا نہیں تھا کہ ان کے مال پر زکوۃ بنتی ہے، اس سال علم ہوتے ہوئے بھی جان بوجھ کر زکوۃ نہیں نکالی تھی۔
دل و دماغ کو جھوٹے حیلے بہانے اور تسلی دلاسے دے کر خاموش رہنے پر مجبور کیا تھا۔ فضیلہ اب بھی ہر ہفتے تعلیم میں جاتی تھی، لیکن صرف تعلیم سن کر آجاتی تھی، کسی قسم کا سوال نہیں کرتی تھی۔

آج تعلیم میں ثریا باجی مٹھائی لائی تھیں اور سب کو کھلا رہی تھیں، فضیلہ نے بھی ایک گلاب جامن اٹھایا اور شکریہ ادا کرکے پوچھ بیٹھی۔
”ثریا باجی !مٹھائی کس خوشی میں؟“
”دو تولے کا میرا خاندانی کنگن میری بہو اپنے میکے کی شادی میں گما کر آگئی تھی۔ آکر مجھے بتایا بھی نہیں کہ یہ گل کھلا کر آئی ہوں۔ البتہ ان کے میکے میں سب پریشان تھے کہ سسرال کا زیور وہ بھی میکے کی تقریب میں کھوگیا۔ پندرہ دن بعد اس کی والدہ میرے گھر آئیں ،مجھے ساری بات بتائی اور کہا کہ کسی مہمان کو ملا ہے، وہ کہتے ہیں نشانی بتا کر لے جائیں تو آپ چلیں اور ان کو نشانی بتائیں، تب مجھے علم ہوا میں فوراً ان کے ساتھ گئی نشانی بتا کر کنگن لے آئی۔“ ثریا باجی نے خوش ہوتے ہوئے بتایا ان کی کم عمر سی بہو ساتھ ہی بیٹھی ناخن چبا رہی تھی۔
”بڑی بات ہے کہ دو تولے کا کنگن واپس مل گیا۔“ فضیلہ نے مرعوب ہوتے ہوئے کہا۔
”میرا تو یقین ہے فضیلہ! جس مال کی زکوۃ نکال دی ہو، وہ ہر نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے، کبھی ناک کی لونگ بھی نہیں گمی۔ ہمیشہ حساب سے کچھ زیادہ ہی زکوۃ نکالتی ہوں،پھر زکوۃ ہی مال کی حفافت کے لیےکافی ہے۔“ فضیلہ اثبات میں گردن ہلا کر ان کو مرعوبیت سے سنتی رہی۔

آج بچیوں کے اسکول جاتے ہی افضل اٹھ بیٹھا تھا۔ کمرے سے باہر آکر اُس نے داخلی دروازے کو اچھی طرح بند کرکے کنڈی لگائی اور فضیلہ کو آوازیں بھی دینے لگا۔
”آج آپ جلدی اٹھ گئے، ناشتہ لگادوں۔“فضیلہ کچن سے باہر آئی افضل صحن میں لگے واش بیسن پر کھڑا منہ دھو رہا تھا۔
”فضیلہ چائے لے کر فوراً اندر آ۔“افضل کے اس انداز پر فضیلہ چونک گئی۔ چائے کا مگ لے کر وہ اندر گئی تو افضل الماری کھول کر اپنا فالتو اوزار نکال رہا تھا۔
”کیا ہواجی؟ کچھ ڈھونڈ رہے ہو۔“فضیلہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
”نہیں یار !کل میں یہاں سے اپنی آری اور ڈرل مشین لے رہا تھا تو مجھے دیمک نظر آئی، میں نے سوچا ذرا تفصیل سے دیکھ لوں، کہاں تک دیمک لگی ہے۔“ افضل اب ”چور خانے“ کا پورا دروازہ کھول رہا تھا۔ لکڑی کا وہ پٹ جب پورا ہٹا چکا تو نیچے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔
نوٹوں کی مختلف گڈیوں کو جو وہ مختلف وقتوں میں آدھا دروازہ کھول کر ڈالتا رہا تھا، ان سب کو دیمک لگی ہوئی تھی،سونے اور چاندی کے سیٹ جن ڈبوں میں تھے، ان کو بس ہاتھ لگانے کی دیر تھی، بھربھری مٹی کی طرح ہاتھ لگاتے ہی بھوسہ بن گئے۔ فضیلہ اور افضل دونوں حیرت سے دیمک کی اُس پٹی کو دیکھ رہے تھے، جس نے اُن کی برسوں کی جمع جوڑ کو نجانے کتنے مہینوں یا سالوں میں ہڑپ لیا تھا۔ وہ دونوں حیران پریشان ان نوٹوں کو دیکھ رہے تھے، جو اب کسی بھی برے بھلے وقت میں کام آنے کے لائق نہیں رہے تھے۔

فضیلہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ افضل خود بہت پریشان تھا، بہت بڑی رقم دیمک کی نظر لگ گئی تھی، لیکن پھر بھی وہ فضیلہ کو تسلی دے رہا تھا، وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔
”اللہ مالک ہے فضیلہ رو مت۔“ افضل نے کہا تو فضیلہ نے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔
”مجھے پتا ہے افضل !اللہ دوبارہ دے گا تو جوڑ بھی لے گا، لیکن مجھ سے وعدہ کر اب تو زکوۃ نکالنے کی فکر کرے گا۔ زکوۃ بہت کم ہے افضل! اگر ہم دل سے نکال لیتے تو اتنے بڑے نقصان سے محفوظ رہتے، پر تو نے میری ایک نہ سنی۔“
آج فضیلہ بے قابو ہو کر روئے جارہی تھی اور افضل کچھ سوچتے ہوئے اسے چپ کروانے کی کوشش کررہا تھا۔
”اللہ ہمیں معاف کردے فضیلہ!انشاءاللہ، میں آج ہی زیور کا جساب لگا کر زکوۃ نکالتا ہوں تو فکر نہ کر۔“ افضل نے کہا تو فضیلہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔
”افضل اب زکوۃ ہر سال نکالیں گے، پھر ان تہ خانوں میں چھپا کر رکھنے کی بھی ضرورت نہیں،جس مال کی زکوۃ نکال دی گئی ہو، اس کی حفاظت اللہ خود فرماتا ہے۔“فضیلہ نے تہ خانے کی صفائی شروع کرتے ہوئے کہا۔
”اللہ مالک ہے۔“ افضل نے آہستگی سے کہا اور فضیلہ کے ساتھ مل کر صفائی کرنے لگا۔

بقیہ

سومیہ کی عید

تھوڑی دیر گزری کہ صحن میں اسے شور وغل سنائی دیا۔اس کی دونوں نندیں آگئی تھیں۔یہ دیکھ کر سومیہ مزید اداس ہوگئی کہ ان کی بیٹیاں تو عید ملنے آچکی ہیں، لیکن وہ۔۔ اتنے میں سومیہ کی ساس سسر باورچی خانے میں چلے آئے۔ ساس نے آگے بڑھ کر سومیہ کو گلے لگایا۔
”پہلی عید مبارک ہو بیٹی!یہ تمہارا عید کا جوڑا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے انھوں نے ہاتھ میں پکڑا پیکٹ اسے تھما دیا۔
سسر نے بھی سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے عیدی دی۔ شوہر صاحب بھی مسکراتے ہوئے وہیں آگئے اور بولے: ”یہ میری طرف سے تمہارے لیے عید کا تحفہ۔“ نندوں نے بھی خوشی خوشی اسے گلے لگایا اور عیدی دی۔
”بیٹا! میں نے تم دونوں کے شام کے ٹکٹ کرا دیے ہیں اور تم دونوں حیدرآباد جا رہے ہو۔“ سسر کی بات سن کر سومیہ کی آنکھیں خوشی سے چھلک پڑیں۔
”جب ہماری بیٹیاں عید پر ماں باپ سے ملنے آ سکتی ہیں تو تم کیوں نہیں اپنے والدین سے ملنے جا سکتیں۔“ ساس نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ سومیہ کے دل سے بدگمانیوں کے سارے بادل چھٹ گئے تھے۔اس نے جلد بازی میں بہت سی غلط فہمیاں پال لی تھیں، اب اسے اپنی سوچ پر شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔
” آج کھانا ہم پکائیں گی۔“ نندوں نے اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے کہا۔
”اب تم اچھا سا تیار ہو کر آجاؤ۔“ساس نے سویوں کا چمچ اس کے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ سومیہ سر ہلاتے ہوئے خوشی خوشی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جب ہم دوسروں کے لیے دل کشادہ کرتے ہیں تو ہمارے اپنے آنگن میں بھی خوشیوں کی بہار آجاتی ہے، یہ سب سوچ پر منحصر ہے۔

سازش

شفق کی سرخی ہلکی سفیدی میں تبدیل ہوئی تو ماسٹر نور الدین کے گھر میں گہری نیند سوئی جمیلہ کی آنکھ مرغ کی ککڑوں کُوں سے کھل گئی۔

"ہائے اللہ! اتنی دیر ہو گئی۔" جلدی سے چپل پہنے، ڈوپٹہ سر پر اوڑھے، وہ صحن میں لگے نلکے کے پاس بیٹھ گئی۔ نلکے سے نکلتے صاف ستھرے پانی سے وضو کرتے اس کا بدن تروتازہ ہو رہا تھا۔

"عطو، بطو اٹھو۔ تمھارے ابا آتے ہی ہوں گے۔" مٹی کے تھال میں جلدی جلدی آٹا ڈالنے، گیلا کرنے اور گوندھنے تک وہ مسلسل عطو اور بطو کو پکارتی رہی تھی۔

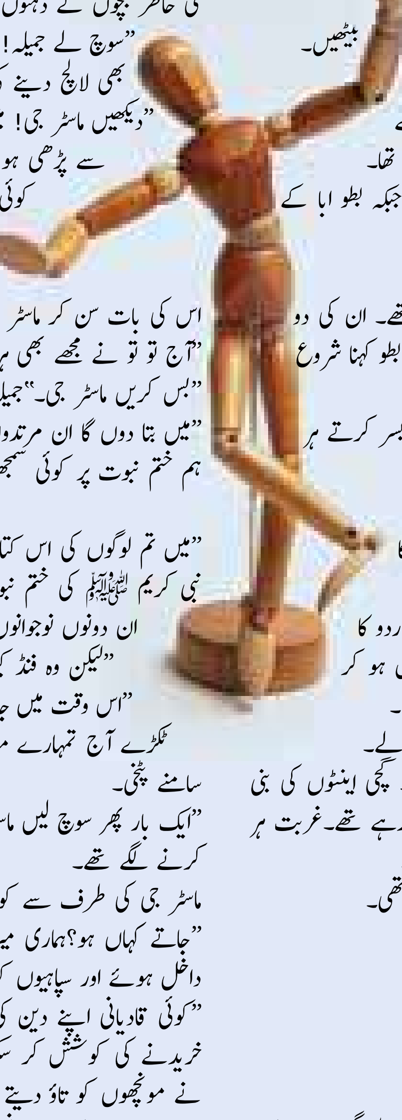

جوں ہی ماسٹر جی نے گھر میں قدم رکھے، وہ دونوں فوراً اٹھ بیٹھیں۔ ماسٹر جی تازہ دودھ لے آئے تھے۔ جمیلہ نے سلنڈر کے اوپر چائے پکنے کے لیے رکھی اور لکڑیوں والے چولہے پر گرما گرم پراٹھے بنانے لگی۔ چائے اور پراٹھوں کی خوش بو سے پورا گھر مہک اٹھا تھا۔ عطو منہ ہاتھ دھو کر اب ماں کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگی تھی، جبکہ بطو ابا کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

ماسٹر نور الدین گاؤں کے سرکاری اسکول کے مشہور ماسٹر جی تھے۔ ان کی دو ہی بیٹیاں عطیہ اور طیبہ تھیں۔ جمیلہ نے لاڈ سے انھیں عطو اور بطو کہنا شروع کیا تو اب ان کے یہی نام پکے ہو گئے تھے۔

سیدھی سادی جمیلہ اور بھولے بھالے ماسٹر جی سادگی سے گزر بسر کرتے ہر لمحے رب کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے۔

"ماسٹر جی! ہم شہر سے آئے ہیں، میڈیا کے بندے ہیں۔ آپ کا اسکول دیکھنا چاہتے ہیں۔"

وہ اس وقت اسکول کے کھلے صحن میں دریوں پر بیٹھے بچوں کو اردو کا سبق پڑھا رہے تھے، جب دو نوجوانوں نے گیٹ سے اندر داخل ہو کر سیدھے بغیر سلام کلام کے ان کے قریب آ کر اپنا مدعا بیان کیا۔

"بسم اللہ۔۔ضرور دیکھیں صاحب جی۔" ماسٹر جی خوش دلی سے بولے۔

بچوں کو سبق دے کر ماسٹر جی ان کے ساتھ چل پڑے تھے۔ کچی اینٹوں کی بنی کلاسیں اور ٹوٹے پھوٹے میز کرسی اسکول کی پسماندگی ظاہر کر رہے تھے۔ غربت ہر چیز سے عیاں تھی۔ وہ دونوں نوجوان بغور جائزہ لے رہے تھے۔ آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے ان کی آنکھوں میں گہری چمک تھی۔

"ماسٹر جی! یہ کچھ فنڈ آپ کے اسکول کے لیے ہے۔"

جانے سے پہلے ایک خطیر رقم ماسٹر جی کو دینی چاہی۔

ماسٹر جی نے خوشی سے رقم لے کر رکھ لی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ بھڑک اٹھے۔

"دیکھیں، آپ ایک بار سوچ لیں۔ ایسی آفر آپ کو پھر نہیں ملے گی۔" وہ دونوں نوجوان آج پھر ان کے پاس آئے تھے۔ ماسٹر جی نے خوشی خوشی انھیں مہمان خانے میں بٹھایا، لیکن اب ان کی بات سن کر ان کا خون کھول رہا تھا۔

"ہم آپ کے جواب کے منتظر رہیں گے۔" نوٹوں کی موٹی سی گڈی اور ایک کتاب ان کے سامنے رکھتے ہوئے دونوں نے اجازت چاہی۔ ماسٹر جی کی پیشانی پر گہری لکیریں نمودار ہونے لگی تھیں۔

"عطو اور بطو کی طرف دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں ان کی آفر قبول کر لوں۔" رات کی چائے پیتے انھوں نے جمیلہ کے سامنے پوری بات گوش گزار کر دی تھی۔ وہ دونوں بہنیں گہری نیند سو رہی تھیں۔ معمولی شکل و صورت کی عطو اور بطو نے خوب قد نکالا تھا۔

"نہ ماسٹر جی! ایسا ظلم نہ کریں۔" جمیلہ تڑپ اٹھی۔

"بس ایک کتاب ہی تو پڑھانی ہے اسکول میں، بچوں کو کیا پتا کیا پڑھایا جا رہا ہے۔" انھوں نے جمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس منحوس کتاب میں نبی کریم ﷺ کے بجائے کسی دوسرے کو آخری نبی لکھا ہوا ہے اور یہ آپ بچوں کو پڑھائیں گے، دولت کی خاطر بچوں کے ذہنوں میں زہر انڈیلیں گے؟" جمیلہ بھڑک اٹھی۔

"سوچ لے جمیلہ! اتنی دولت میں ساری زندگی نہیں کما سکتا۔" انھوں نے اسے بھی لالچ دینے کی کوشش کی۔

"دیکھیں ماسٹر جی! میں اَن پڑھ، جاہل گنوار سب ہوں، لیکن قرآن پاک ترجمے سے پڑھی ہوئی ہوں۔ مجھے اتنی سمجھ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کوئی آخری نبی نہیں بس!!! میں ایسی دولت پر لعنت بھیجتی ہوں، جو میرے نبی کریم ﷺ کی ختمِ نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ہمیں ملے۔" جمیلہ نے غصے سے کہا۔

اس کی بات سن کر ماسٹر جی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"آج تو تو نے مجھے بھی ہرا دیا جمیلہ! تو ماسٹر کی بھی ماسٹرنی نکلی۔"

"بس کریں ماسٹر جی۔" جمیلہ شرما سی گئی۔

"میں بتا دوں گا ان مرتدوں کو، وہ پوری دنیا کی دولت بھی ڈھیر کر دیں، تب بھی ہم ختم نبوت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔" وہ پختہ عزم سے بولے۔

"میں تم لوگوں کی اس کتاب جس پر ملعون مرزا غلام قادیانی کا نام ہے اور میرے نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت پر حملہ کیا گیا ہے، لعنت بھیجتا ہوں۔" ماسٹر جی نے ان دونوں نوجوانوں کو غصے سے کہا۔

"لیکن وہ فنڈ کیوں لیا تھا آپ نے؟" نوجوان نے طنز سے کہا۔

"اس وقت میں جانتا نہیں تھا کہ تم دونوں کون ہو؟ لیکن یہ کاغذ کے بے کار ٹکڑے آج تمھارے منہ پر مارتا ہوں۔" ماسٹر جی نے فنڈ کی ساری رقم ان کے سامنے پٹخی۔

"ایک بار پھر سوچ لیں ماسٹر جی۔۔" وہ دونوں دوبارہ انھیں قائل کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

ماسٹر جی کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر ان دونوں نے اٹھنا چاہا۔

"جاتے کہاں ہو؟ ہماری میزبانی نہیں قبول کرنی؟" دروازے سے تھانیدار صاحب اندر داخل ہوئے اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں ہکا بکا رہ گئے۔

"کوئی قادیانی اپنے دین کی تبلیغ نہیں کر سکتا، نہ ہی ہمارے ایمان کو دولت سے خریدنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ یہ قانونی جرم ہے۔" ہتھکڑی لگاتے تھانیدار صاحب نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

ماسٹر جی نے دونوں قادیانی نوجوانوں کو گرفتار کروانے کے لیے پولیس پہلے سے ہی بلوا رکھی تھی۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں جو مجھے تجھ جیسی بیوی ملی۔" وہ محبت سے جمیلہ کو دیکھ کر بولے۔

عطو اور بطو ابا کے منہ سے نکلے ماں کے لیے یہ الفاظ سن کر مسکرا اٹھیں۔

وہ بے خبر تھیں کہ ان کے سیدھے سادے والدین نے غربت کے باوجود دولت کی آزمائش سے باآسانی گزر کر عقیدۂ ختمِ نبوت ﷺ کی روشنی حاصل کر لی تھی۔

بلا عنوان

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 مئی ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

"بس بھئی! تم نے بہت کر لیا سب کے لیے۔ اب یہ ضروری کوئی ہے کہ ہمیشہ کی طرح سب کچھ ویسا ہی رہے۔ اب تمھارے سسر نہیں رہے تو کچھ نہ کچھ تبدیلی لے کر آؤ۔" موبائل کا اسپیکر کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں کبریٰ کی آواز گونج رہی تھی۔ سلطانہ بیگم جو کسی کام سے اپنی بہو رافعہ کے پاس آئی تھیں، ان کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پہ جاتے جاتے رک گیا۔

"لیکن باجی! اگر انکل چلے گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ان کی بیٹیوں کا میکہ ہی ختم ہوگیا۔" رافعہ نے سمجھ داری سے جواب دیا۔

"بہت شوق ہے تمھیں کولہوں کے بیل کی طرح کام کرنے کا۔" کبریٰ نے غصے سے کہا۔

"مگر باجی! میں اکیلی تو کام نہیں کرتی۔ آنٹی بھی ساتھ کام کرواتی ہیں اور پھر باقی سب بھی آکر ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے، کام کروا ہی لیتے ہیں۔" رافعہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"کرو اپنی مرضی۔ میں تو جیسے دشمن ہوں نا تمھاری۔ ابھی موقع ہے ابھی سے سب کو بتادو گی تو ٹھیک ہے، ورنہ ساری زندگی تم پہ اور تمھارے میاں پر یہ ذمہ داری پڑی رہے گی۔" کبریٰ نے نخوت سے کہہ کر اب فون بند کردیا تھا۔

سلطانہ بیگم کبریٰ کی بات کا مفہوم سمجھ کر اپنے کمرے کی جانب پلٹ گئی تھیں جب کہ رافعہ گہری سوچوں کے سمندر میں مستغرق ہوچکی تھی۔

"رافعہ! عید کے دن کھانے پینے کا جو سامان لانا ہے، اس کی فہرست بناکردے دو۔" نمازِ ظہر کے لیے گھر سے نکلنے سے پہلے احمر نے رافعہ کو فارغ بیٹھا دیکھ کر کہا۔

"سنیے! میں سوچ رہی تھی کہ اب سے عید سب اپنے اپنے گھر منائیں تو۔۔۔" رافعہ نے احمر کے قریب آتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"مطلب؟" احمر نے ناسمجھی سے سوال سے کیا۔

"مطلب یہ کہ عید کا دن ہوتا ہے تو سب کو آرام و سکون سے گزارنا چاہیے۔ ایک جگہ جمع ہونے سے بہتر ہے۔ اپنے اپنے گھروں میں رہ کر اس بابرکت دن کو گزاریں۔" احمر نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہ کہا بلکہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ رافعہ کو محسوس ہوا جیسے احمر بھی اس کی بات سے متفق ہے تب ہی اس نے مزید بولنے کی ہمت جٹائی۔

"اچھا! تمھارا مطلب ہے میری تینوں بہنیں اپنے گھر رہیں عید کے دن۔۔۔؟" احمر نے سوال کیا۔

"یہ ان کا اپنا گھر ہے، جب چاہے آئیں مگر۔۔۔ سب کے آنے سے کام کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ پھر عید تہوار سب کے لیے ہوتا ہے۔ میری عید کام میں ہی گزر جاتی ہے۔" رافعہ کے لفظوں میں اب تلخی شامل تھی۔

"ہمم! ابو کے جانے کے بعد میں اپنی بہنوں پر گھر کے دروازے بند کردوں؟" احمر کے لہجے میں بھی اب تلخی گھل گئی تھی۔

"میں نے ایسا کب کہا؟ انکل کے بعد ویسے بھی یہ پہلی عید ہے۔ اچھا لگے گا یوں شور شرابا، سب کا اکٹھا ہونا۔" احمر کا غصہ محسوس کرکے رافعہ کا لہجہ کچھ نرم ہوا۔

"تو؟ اب تو ہر عید 'ابو کے بعد' ہی آئے گی۔ کیا پہلی اور کیا دوسری۔۔۔ عید تو روزے داروں کا انعام ہے۔ اس کو منانا تو سنت ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن۔۔۔"

"تم لسٹ بنا کر رکھنا میں عشاء کے بعد سامان لے آؤں گا۔ اب اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔" احمر بات ختم کرتے ہوئے کمرے سے جا چکا تھا، جبکہ نفس کے شیطان نے رافعہ کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ احمر بس اپنی ماں بہنوں کا ہی ہے۔ اسے رافعہ کا ذرا خیال نہیں۔ رافعہ کی شادی کو تین سال ہوئے تھے۔ تین نندوں کی وہ اکلوتی بھابھی تھی۔ اس گھر میں اس کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ اس کی بڑی بہن کبریٰ جو اپنے سسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر الگ ہوگئی تھی، اسے رافعہ کا یوں مل جل کر رہنا ذرا پسند نہ تھا۔ کبریٰ نے ہی ماں باپ کی اچانک موت کے بعد رافعہ کو پالا تھا۔ اس لیے رافعہ اس کی بہت عزت کرتی تھی، لیکن کبریٰ سخت مزاج ہونے کی وجہ سے اس کو آئے دن سسرال سے الگ ہونے کے مشورے دیتی رہتی تھی۔ وقتی طور پر رافعہ اس کی باتوں میں آجاتی تھی، مگر پھر احمر اور اپنی ساس کی محبت دیکھ کر اس کو اپنے رویے پر شرمندگی ہونے لگتی تھی۔ سلطانہ بیگم سمجھ دار خاتون تھیں، وہ احمر کو سمجھاتی رہتی تھیں۔ تب ہی احمر بھی رافعہ کی ہر غلطی معاف کر دیتا تھا اور ان دونوں کا گزارا ہو رہا تھا۔

"امی! آپ کو کچھ منگوانا ہے تو بتادیجیے۔ میں مارکیٹ جارہا ہوں۔" سلطانہ بیگم کے سامنے کھڑا WI احمر تابع دار اولاد کی طرح ان سے ادب سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! مجھے تو کچھ نہیں منگوانا، لیکن تم اس وقت مارکیٹ کیوں جارہے ہو؟"

"امی! آپ بھول گئیں پرسوں عید ہے، سب آئیں گے، کھانے پینے کا سامان لے کر آنا ہے۔ آپ کو پتا ہے خاص طور پر کل دودھ ملنا کتنا مشکل ہوجاتا ہے۔" احمر نے جھکتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹا! میرے پاس بیٹھو ذرا۔۔۔"

"کیا ہوا امی! سب خیریت؟"

"میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ میری بات کو غلط مت سمجھنا۔" سلطانہ بیگم نے تمہید باندھی تو احمر نے فوراً انہیں ٹوکا۔

"امی! آپ کو کب سے مجھ سے بات کرنے سے پہلے یوں تمہید باندھنی پڑتی ہے؟ آپ حکم کیجیے جو بھی آپ چاہتی ہیں۔" احمر کی اس ادا پر ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

"بیٹا! میں یہ سوچ رہی تھی کہ جیسے ہر عید پر تمھاری سب بہنیں، بہنوئی ان کے بچے رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھاتے ہیں۔ تو اب ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہی ایسا ہو۔ وقت بدلتا ہے، حالات بدلتے ہیں۔"

"امی! آپ سے رافعہ نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں بیٹا! کیسی باتیں کر رہے ہو۔ وہ کیوں کچھ کہے گی؟" سلطانہ بیگم نے جلدی سے گھبرا کر جواب دیا۔

"مجھے سچ سچ بتائیں امی!" احمر نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے آنسو برسنے لگے اور وہ کبریٰ کی ساری باتیں اسے بتاتی چلی گئیں۔

(بقیہ ص 27 پر)

قیمتی متاع

”توبہ ہے، اس عورت سے۔“ معیز منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے پلنگ کی چادر درست کرنے لگا۔ دروازے پر کھڑی دِیا نے اس کا جملہ سن لیا تھا۔ فوراً کمرے میں داخل ہوتے وہ پوچھنے لگی۔

”کیا ہوا۔۔؟ کس بات کی توبہ کررہے ہیں؟“

”چھوڑو یار! تم سے ایک پلنگ کی چادر تک درست نہیں ہوتی۔ تھکا ہارا شوہر گھر آتا ہے۔ کم از کم کمرہ تو سنوار کر رکھا کرو۔“ معیز نے اس سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی دِیا کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔۔ وہ ان موتیوں کو دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں بولی۔

”آپ کے سامنے میں ابھی درست کرکے گئی تھی، مگر بچے تو بچے ہیں نا! وہ پھر ادھم مچا کر چھلانگیں لگا کر ساری چادر خراب کردیتے ہیں۔۔۔ اور پھر صرف یہی تو نہیں گھر کے دیگر کام بھی ہوتے ہوتے ہیں، وہ سب۔۔۔“

”اچھا یار! اب شروع نہ ہوجانا، نان اسٹاپ۔۔ بھوک لگی ہے، کھانا لے آؤ۔“معیز نے پلنگ پر بیٹھی صاف ستھرے کپڑوں میں نکھری نکھری سی اپنی سب سے چھوٹی لاڈلی کو گود میں لیتے ہوئے کہا۔ وہ بس ایک نظر اس پر ڈال کر رہ گئی۔ دِیا نے کچن میں آکر روکے ہوئے آنسو رواں کیے تھے۔ اُسے کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ وہ غلط ہے یا درست۔۔ کیوں کہ جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا کہ وہ گھن چکر بنی رہتی ہے سارا دن۔۔ صبح سے اٹھ کر ناشتے کی تیاری اور ساتھ ساتھ چھوٹی کی دیکھ بھال جو چند ماہ کی تھی۔ بچوں کو تیار کرکے اسکول کے لیے بھیجنا ان کا لنچ بکس تیار کرنا۔ ساس، سسر کا ناشتا بنا کر ان کو وقت پر دینا پھر۔۔ معیز کے کپڑے ناشتا تیار کرنا۔ اس کے بعد گھر کی صفائی، برتن، جھاڑو، پوچھا، فرش وغیرہ دھونا، پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری اور واپس گھر آئے بچوں کو فریش کرنا، چھوٹی کو فیڈ کروانا، ہر ایک دو گھنٹے کے بعد اور ساتھ میں ساس سسر کے کپڑے دھونا، استری کرنا ایک دن تو پورا مشین لگا کر کپڑے دھونے میں گزر جاتا ہے اور باقی کام بھی ساتھ ساتھ ہوتے اور پھر آئے گئے مہمانوں کو دیکھنا۔۔ بچوں کو خود ٹیوشن دینا، قاعدہ پڑھانا۔۔ پھر ان کے سارے دن میں پھیلائے ہوئے بکھیڑے بھی ساتھ میں سمیٹتے رہنا۔ شام تک پھر کھانے کی تیاری اور پھر رات میں بچوں کو دودھ، ساس سسر کی چائے، برتن کا انبار دھو کر پھر چھوٹی کو وقت دینا،عشاء کی نماز ادا کر کے کہیں گیارہ بجے کے بعد سونے کا وقت ملتا اور صبح نماز پڑھ کر پھر وہی روٹین۔۔ نماز بھی وہ پانچ وقت پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھی۔ وہ بار بار سوچتی کہ یہ سب کرنے کے بعد بھی میرے شوہر بہت آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ تم سے ایک پلنگ کی چادر تک درست نہیں ہوتی۔۔ یعنی وہ سب جو میں سارا دن کرتی ہوں وہ سب بے معنی ہے۔۔۔ صرف ایک ذرا سی لغزش۔۔ یہی سوچ رہی تھی کہ اتنے میں ساس کی آواز آئی”ارے! چائے لے بھی آؤ۔“

”جی لائی امی!!!“

دِیا نے فوراً چولہے کی آنچ دھیمی کی۔ سب کام نمٹانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو سب خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ وہ بچوں کا بستر بھی کچھ دیر پہلے کر گئی تھی۔ چھوٹی کو اپنے قریب کیے معیز بھی گہری نیند میں تھے۔ شاید کبھی احساس جاگے ان کے اندر۔۔۔ میں اس وقت ٹوٹ رہی ہوتی ہوں اور ایک شوہر ہونے کے ناطے میری حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے وہ میری ذرا سی بے دھیانی پر مجھے بے کار کہیں ،مجھ سے بے زار ہو کے توبہ کرنے لگیں۔۔ دل بری طرح سے بھر آیا تھا۔ وہ پلنگ کے دوسری طرف لیٹنے کے بجائے باہر لاؤنج میں پڑی چارپائی پر لیٹ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی سسکیوں سے اب کسی کی نیند خراب ہو۔

”بابا! بابا! مما کو دیکھیں!!!“

معیز کی آنکھیں شور سے کھل گئی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھا تھا۔ سب کچھ عجیب دھندلا دھندلا سا تھا۔

”کیا بات ہے بھئی۔۔“ معیز نے آنکھیں ملیں۔

”مما کو دیکھیں بابا ۔۔۔!!!“ وہ اس کا بازو زور زور سے کھینچ رہے تھے۔ معیز فوراً اُٹھ کر ان کے ساتھ باہر آیا تھا، جہاں پر دِیا گہری نیند سوئی تھی۔ اس کے لاکھ ہلانے جلانے کے باوجود وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ گھبراہٹ میں اس نے امی ابو کو آواز دی، سب اکٹھے ہوگئے تھے۔ کیا ہوا تھا۔۔یک دم یہ چلتی مشین کیوں جام ہوگئی تھی۔۔ آہستہ آہستہ پورا گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ دِیا کسی کی دیکھ بھال کے لیے نہ اٹھی تھی۔ وہ گہری چپ لگائے ، اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔ سب ہی واویلا کررہے تھے۔ ننھیال والے، بچوں کے معیز کی بہنیں۔۔ غرض سب ہی تو آچکے تھے۔ چھوٹی کسی سے بھی نہ سنبھل رہی تھی، مسلسل روتی وہ سب کو مزید بے چین کررہی تھی۔۔ آج تک معیز نے اپنی پری کبھی اتنی روتی نہ دیکھی تھی، دور کھڑے وہ یہ سوچ رہا تھا۔۔

جڑواں دونوں بڑے بچے اس کے دائیں بائیں ٹانگوں سے پکڑے تھے اور بار بار ایک ہی سوال کررہے تھے۔ مما کو کیا ہوا ہے؟ وہ دیکھتی کیوں نہیں؟ بولتی کیوں نہیں؟ معیز کو تو خود کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔ یہ اچانک یکایک کیا طوفان آیا تھا۔۔ سب انتظامات ہوچکے تھے۔ دِیا اب اس گھر سے جاچکی تھی۔ کچھ ہی دیر میں مہمان بھی چلے گئے۔ اگلے دن دور دور والے بھی چلے گئے۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے کیوں ہوتا جارہا تھا۔ معیز کو کچھ ہوش نہ تھا۔ ساس چھوٹی کو سنبھال کر تھک چکی تھی۔ وہ کسی کے پاس نہ چپ ہوئی۔ اتنی چھوٹی معصوم سی اپنی پری کو اس کی ماں کہاں سے لادوں۔۔ وہ بے خود ہوا۔۔ اور سسکنے لگا، بچے بھوک بھوک کا رونا رو رہے تھے۔ ساس، سسر بھی بازار کا کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ گھر بھی مہمانوں کے بعد بکھرا پڑا تھا۔ اے کاش! کہیں سے تم نکل کر سامنے آجاؤ دِیا اور پھر سے میری زندگی میں روشنی بکھیر دو۔ وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر رونے لگا۔

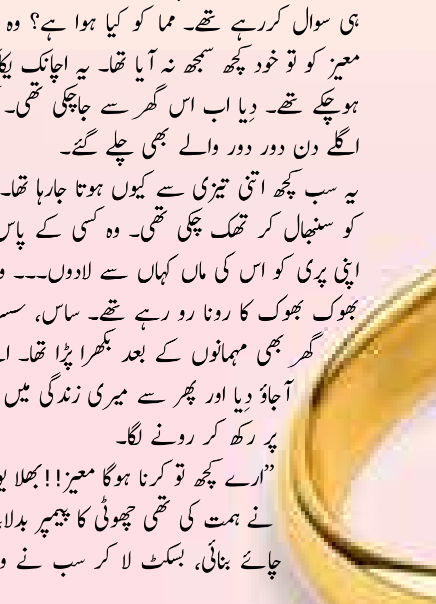

”ارے کچھ تو کرنا ہوگا معیز!! بھلا یوں رونے دھونے سے کیا ہوگا۔“ معیز نے ہمت کی تھی چھوٹی کا پیمپر بدلا، فیڈر دیا، سلایا۔ بڑے بچوں کے لیے چائے بنائی، بسکٹ لا کر سب نے وہی کھائے۔ اب وہ گھر کی صفائی میں جُت گیا۔ بچے بار بار اِدھر اُدھر پاؤں لیے گندا کرے رہے ،وہ اب کچن صاف کرنے میں مصروف تھا۔ ساس، سسر تو بوڑھے تھے، کچھ نہ کرسکتے تھے۔ اتنے میں پھر چھوٹی اُٹھ گئی۔ ایک بڑی آزمائش۔۔۔۔۔

”ماں نے کمرے سے آواز دی۔ کوئی ہنڈیا چڑھالو چولہے پر۔ یوں گزارا نہ ہوگا ،باہر کا کھا کھا کر ہم تو بیمار ہیں۔“ معیز نے سر ہلایا اور سوچا اس پری کو کس کے حوالے کروں، ابھی وہ سوچ رہا تھا۔ ”معیز!!!ان دونوں کو نہلا کر کپڑے پہنا دے، دِیا کے میکے والے آگئے تو سوچو باتیں کریں گے۔“ معیز نے ایک بار پھر سر ہلایا۔

”ہم نے چیز لینی ہے۔“بچے چیز کے لیے شور مچا رہے تھے۔

معیز نے ایک نظر اپنے گندے کپڑوں پر ڈالی جو باہر جانے کے لائق بھی نہ رہے تھے۔ کیسے کلف لگے کپڑوں میں وہ گھر سے نکلا کرتا تھا اور سب محلے والے یا دوست بھابھی کی سلیقہ شعاری کی تعریف کرتے۔ بیل بج رہی تھی، شاید دودھ والا بھی آگیا تھا۔ معیز کو لگا تھا کہ وہ اتنے سارے کاموں میں پاگل ہوجائے گا۔ ایک بار پھر شدّت سے دِیا کو پکارا تھا۔

”بابا! بابا!!“ کوئی اسے بری طرح جھنجھوڑ رہا تھا، معیز نے جھٹکے سے آنکھ کھولی۔ اپنے سامنے کھڑی دِیا کو حیرت سے دیکھا تھا، دوبارہ آنکھیں ملیں۔۔ غور سے دیکھا۔۔۔ بابا دودھ والا آیا ہے۔ مما آپ کو کب سے جگا رہی ہیں۔ بچے اس کا بازو کھینچ رہے تھے۔ معیز تیزی سے اُٹھ کر باہر آیا تھا، جہاں کچن میں جاتی دِیا کے لہراتے دوپٹے کی جھلک نظر آئی۔ وہ بھی کچن میں چلا آیا تو کیا وہ خواب تھا۔ تیرا شکر ہے مولا!! میں تو شاید جیتے جی مر جاتا۔ دِیا نے اسے برتن پکڑایا تو وہ ساتھ میں اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بولا: ”مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا پلیز!!“ دِیا کو جھٹکا لگا۔ نہ جانے کیا ہوا تھا اسے، مگر اتنا تو دِیا بھی جانتی تھی کہ وہ اسے بے پناہ عزیز تھی۔ اس کی قیمتی متاع تھی، وہ بے ساختہ مسکرادی۔

بقیہ

بلاعنوان؟!

”حد ہوتی ہے کسی چیز کی۔ آخر کب تک یہ سب چلے گا۔ رافعہ کوئی بچی تو ہے نہیں جو کبریٰ باجی کی باتوں میں آجاتی ہے۔“احمر کا چہرہ ضبط کی شدّت سے سرخ ہو رہا تھا۔

”بیٹا! بس شیطان تو ہر ذی نفس کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔“

”امی! بس آپ اس ہی طرح اس کی غلطیوں پر پردہ ڈالتی رہتی ہیں۔ آج فیصلہ ہو کر ہی رہے گا۔“احمر تن فن کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھولنے پر رافعہ کو وہاں نہ پا کر وہ لاؤنج میں آیا ہی تھا کہ رافعہ کی چیخ نے اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ رافعہ سیڑھیوں سے گرتی ہوئی زمین بوس ہوچکی تھی۔ سیڑھیوں پر کپڑے پھیلے پڑے تھے۔ احمر تیزی سے اس کی جانب لپکا۔ سلطانہ بیگم بھی حواس باختہ سی باہر کو لپکیں۔

”ہڈی میں بال آگیا ہے۔ پٹی کردی ہے، لیکن ہفتہ بھر اس ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرنا ہے۔“ڈاکٹر کے کلینک میں سسکیوں سے روتی ہوئی رافعہ کو سلطانہ بیگم پانی پلا کر خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ چھت پر دھلے ہوئے کپڑے اتار کر لاتے ہوئے اس کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ کپڑے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے وہ ریلنگ کا سہارا نہ لے سکی اور سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی۔

”شکر کریں کہ آپ کا سارا زور ہاتھ پر آگیا، ورنہ سر پر بھی چوٹ لگ سکتی تھی۔“ڈاکٹر نے اسے ممکنہ نقصان کا بتایا تو اس کے رونے میں کچھ کمی آئی۔

”یہ دوائیں لکھ دی ہیں۔ اب آپ ان کو گھر لے جاسکتے ہیں۔“

ڈاکٹر نے کہا تو احمر اسے سہارا دے کر گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

رافعہ نے اپنے ہاتھ کی تکلیف کی بابت کبریٰ کو بتایا تو اس نے عید کی مصروفیات کے باعث آنے سے معذرت کرلی اور فون پر ہی عیادت کو نمٹا دیا۔

رافعہ کے گرنے کا سن کر تینوں نندیں عید کے دن شام کے بجائے دوپہر سے ہی وہاں آگئی تھیں اور اب تینوں مل کر باورچی خانے میں مل جل کر کام کر رہی تھی۔ رافعہ انھیں دیکھ کر شرمندہ ہو رہی تھی۔ کہاں وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی عید کاموں کے بوجھ تلے گزرتی ہے اور کہاں اب وہ بنا کسی کام کو ہاتھ لگائے محتاجوں کی طرح ایک طرف کرسی پر بیٹھی تھی۔

”کیا ہوگیا ہے رابعہ! کیوں روئے جا رہی ہو۔“سب سے بڑی نند سعدیہ نے اسے روتے دیکھ کر جلدی سے اس کے آنسو پوچھے۔

”ارے! تم ہی بناتی ہو نا مزے مزے کے کھانے۔ اب کی بار ہم بنا رہے ہیں۔“منجھلی نند ثمرہ چاول پانی میں بھگوتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

”اور صرف بنانا ہی نہیں۔۔۔ بلکہ محترمہ کو کھلانا بھی پڑے گا۔“سلاد کے لیے کھیرا کاٹتے ہوئے سب سے چھوٹی نند سحر نے کھیرے کا ٹکڑا اس کے منہ میں ڈالا تو سب مسکرانے لگے۔

”اللہ مجھے معاف کردے۔ یہ میں کیا کرنے چلی تھی۔ بیٹیوں سے ان کے میکے کا سکھ چھیننے چلی تھی۔ اگر یہ سب یہاں آتی ہیں تو وقت پڑنے پر ہمیشہ میرا ساتھ بھی تو دیتی ہیں۔ یہ میں کیسے بھول گئی۔“رافعہ دل ہی دل میں اللہ سے معافی مانگ رہی تھی۔ گھر میں بچوں کا شور اور خوشیاں پھیلی تھی۔ سلطانہ بیگم کسی کام سے باورچی خانے میں آئیں تو ان چاروں کو وہاں ہنسی مزاح کرتا دیکھ کر ان کا دل پرسکون ہوگیا تھا۔ آج ان کے شوہر ان کے ساتھ نہیں تھے، مگر اللہ نے ان کے گھر کو ٹوٹنے سے بچا لیا تھا۔غم پہ صبر کے ساتھ شکر کرنے کا بھی رب نے ان کو خوب موقع دیا تھا۔ صبر و شکر کے آنسوؤں کا امتزاج لیے ان کی آنکھیں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوگئی تھیں۔

”مجھے معاف کردیں!“رات کو احمر کے کمرے میں آتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

”ارے ارے! ہاتھ سیدھا کرو۔“رافعہ کو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا۔

”مجھے۔۔۔۔۔“ ”اچھا۔۔۔ بس کرو!!انسان سے غلطی ہوجاتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تمھیں احساس ہوگیا۔ اس نقصان کی وجہ سے تم بہت سے دلوں کو توڑنے کے گناہ سے بچ گئیں رافعہ!“ احمر نے نرمی سے کہا۔

”اصل عید وہ ہی ہوتی ہے، جس میں سب ساتھ ہوں۔“رافعہ نے روتے ہوئے کہا تو اچانک احمر نے سر پہ ہاتھ مارا، جیسے کچھ بھول گیا ہو۔

”کیا ہوا؟“

”میں ایک چیز بھول گیا۔“

”کیا؟“ رافعہ رونا بھول کر اس کو دیکھنے لگی۔

”عید مبارک۔۔۔ آج پہلی عید ہے، جس پہ تمھیں یہ کہنا بھول گیا۔“احمر نے مسکراتے ہوئے کہا تو رافعہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس کی شرمندگی کے بعد، آنسو سے دھلی ہوئی پاکیزہ ہنسی نے عید کے لمحات کو مزید خوب صورت بنادیا۔

تارِ نَفَس

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ کچھ رات پہلے ہی سیاہ تھی تو کچھ چاند کی پہلی راتوں کی وجہ سے اندھیری اور خوف ناک لگ رہی تھی۔ ہسپتال کے کریٹیکل کیئر یونٹ کے ایک کمرے میں بیڈ پر مختلف نالیوں میں جکڑے بے سدھ لیٹے وجود کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چھلکنے ہی والی تھیں کہ دروازے کے باہر کسی کی چاپ پاکر وہ جلدی سے آنکھیں ملتی ہوئی بیڈ کے نیچے جھک کر بیٹھ گئی۔
چاپ کی آواز بتدریج بڑھتی گئی اور پھر کھڑک کی آواز سے دروازے کا لاک کھلا اور ایک آواز سے دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ اندر آنے والے کا حلیہ تو نظر نہ آ سکا، لیکن بیڈ کے نیچے سے نظر آتے چمک دار کالے سیاہ جوتوں سے یہ معلوم ہوا کہ نووارد کوئی مرد تھا۔ وہ سانس تک کو روکے وہیں اکڑوں بیٹھی رہی۔
آنے والے نے دھیرے سے دروازہ بند کیا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔ اسے لگا کہ آنے والا جو بھی تھا وہ کوئی نرس یا وارڈ بوائے ہوگا، وہ دور سے ہی پیشنٹ کو چیک کر کے چلا جائے گا، لیکن یہ کیا نووارد کے قدم بیڈ کی اس طرف بڑھنے لگے تھے جس طرف وہ چھپی بیٹھی تھی۔ اس کا سانس اٹک گیا، لیکن اسے اپنے پکڑے جانے اور بے نقاب کیے جانے سے زیادہ اس بیڈ پر لیٹے نیم زندہ یا نیم مردہ وجود کا اپنے ساتھ رشتہ کسی کو معلوم ہو جانے کا ڈر تھا۔ وہ اپنی جگہ پہ ٹکی رہی۔ نووارد کے چند قدم اس طرف پہنچنے کے لیے باقی رہتے تھے کہ ایک موبائل کی رنگ ٹون بجی۔ آنے والے نے فون کان سے لگایا تو اس نے ایک گھٹا گھٹا سا سانس اندر کھینچا۔
”ہاں سعادت کیا بات ہے ؟“
”فون پر نجانے کیا کہا گیا تھا کہ اس نے“، ”میں ابھی آرہا ہوں“ کہہ کر فون جیب میں رکھا اور بعجلت قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔
وہ وہیں بیٹھی رہی اور جب یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ دور جا چکا ہے تو وہ اٹھی اور بیمار پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر جلدی جلدی کمرے سے نکل گئی، اس بات سے بے خبر کہ جس گھڑی کو سوچ کر وہ سہم جاتی تھی، وہی گھڑی اس کی زندگی کو ایک نئے موڑ پر لانے والی تھی۔

”السلام وعلیکم ڈاکٹر سلیم !کیسے ہیں آپ؟“اس نے ہسپتال کے ریسیپشن کے پاس کھڑے ایک پرانے جاننے والے ڈاکٹر کے ساتھ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جو اس کے والد کا پچھلے دو مہینے سے علاج کر رہا تھا۔
”وعلیکم السلام عاشر!ہم تو ٹھیک ہیں، لیکن سلیمان انکل ٹھیک نہیں ہیں۔ مجھے نہیں پتا کہ آپ کے والد صاحب کے پاس کتنا وقت ہے، لیکن یہ ضرور جانتا ہوں وہ ہمارے درمیان بہت کم وقت کے مہمان ہیں۔“ ڈاکٹر سلیم نے اس کے ساتھ معانقہ کیا اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے راہداری کی جانب مڑ گئے۔
”ابھی چند دن پہلے تو میں انھیں ٹھیک ٹھاک دیکھ کر گیا تھا۔وہ ٹھیک تھے تو پھر یہ ایمرجنسی کیسی ہے؟“
”عاشر!آپ کے والد کا جو ایکسیڈنٹ ہوا تھا، اس کا انفیکشن بہت بڑھتا چلا گیا۔ علاج ٹھیک طرح سے نہیں ہوا تو سیپسس(خون میں جراثیم کا پھیل جانا)ہو گیا۔ سیپسس کی وجہ سے ان کو اکیوٹ ریسپائریٹری ڈسٹریس سنڈروم (سانس کی تکلیف)ہوگئی۔“ڈاکٹر نے وضاحت دی ۔
”آپ ڈیڈ کے لیے دو نرسز ہائیر کر لیں، بلکہ جو سمجھ میں آئے وہ کر لیں، لیکن ڈیڈ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ویسے کیا وہ ہوش میں ہیں؟“وہ تھوڑا تکلیف میں نظر آیا۔
”ہوش میں بہت تھوڑے وقفے کے لیے آتے ہیں۔ ابھی تو وہ ہوش میں نہیں ہیں ۔آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھ لیں۔ اچھا میں ایک بات کہنے کی جسارت ضرور کروں گا۔“ڈاکٹر سلیم کے چہرے سے پروفیشنل سی سنجیدگی عنقا ہوئی تو اس کی جگہ اپنائیت نے لے لی۔
”جی جی بولیں آپ۔“عاشر نے حیرت سے ان کو دیکھ کر کہا۔
”عاشر!آپ کے والد کسی بھی وقت دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں، لیکن دل میں ایک حسرت لے جائیں گے کہ ان کے دونوں بچے نہ تو ان سے ملتے ہیں اور نہ ہی آپس میں۔ اس طرح نہ تو وہ جاتے ہوئے اطمینان سے جا سکیں گے اور نہ ہی تم دونوں کی زندگی اطمینان سے گزرے گی۔تم دونوں پوری زندگی پچھتاوے کے ساتھ جیئو گے کہ تم لوگوں کی وجہ سے تمہارے والد صاحب تکلیف میں تھے اور اسی تکلیف کے باعث وہ یہاں سے چلے گئے۔“ ڈاکٹر سلیم کے چہرے پر اسے سمجھاتے ہوئے تکلیف کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ وہ انھیں دیکھ کر سر ہلانے لگا، لیکن ابھی طے تھا کہ اسے ڈاکٹر کی بات پوری طرح سمجھ نہیں آئی تھی، لیکن وہ جلد ہی سنبھل کر بولا،
”میں کوشش کروں گا کہ وہ ہم سے خوش ہوں،لیکن آپ بھی کوشش کریں کہ وہ ریکور کر لیں۔“یہ التجا تھی یا ایک خواہش عاشر کو خود بھی پتا نہ چلا۔
”اللہ خیر کرے گا ۔“ ڈاکٹر سلیم نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔
دونوں چلتے ہوئے کریٹیکل کیئر یونٹ کے ایک کمرے میں داخل ہوئے تھے، جہاں سلیمان صاحب دینا ومافیہا سے بے خبر سورہے تھے۔

وہ جیسے ہی دروازہ کھول کر باہر نکلی راہ داری میں اس انسان کو دیکھ کر اس کے قدم برف ہو گئے۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اسے لگا اس کو دوسرا سانس نہیں آسکے گا۔
یہ وہ انسان تھا جس کے ہزار بار منع کرنے کے باوجود بھی وہ اپنی من مانی کرتی ہوئی گھر سے بھاگی تھی۔
وہ اس سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر سہم گئی۔ اسی لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر گھومنے لگے جب وہ ایک غیر مسلم سے شادی کرنے پر بضد ہوئی تھی۔ اس کے والد اس کی ٹینشن سے دل پکڑ کر بیٹھ گئے، لیکن اسے ذرا سا بھی خیال نہیں آیا کہ وہ کیا کرنے جارہی ہے اور اس کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے۔ اس کے والد کو دل کا دوڑا پڑا تھا، لیکن وہ اس رات ہی گھر سے بھاگ گئی تھی جس رات سلیمان صاحب ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آئے تھے۔ ڈاکٹرز نے تو انھیں خطرے سے باہر قرار دیا تھا، لیکن ان کا اصل خطرہ اس کی ضد کی صورت میں موجود تھا۔ ان کی بیماری ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ وہ بیٹی کی وجہ سے بستر کو لگ گئے۔ اس کے والد دوبارہ کبھی اپنے پیروں پہ کھڑے نہ ہو سکے۔
اسے اپنے بھائی کے جڑے ہاتھ بھی یاد آئے تھے، جب عاشر سلیمان صاحب کے بار بار اصرار کرنے پر اس کو واپس بلانے کے لیے گیا تھا اور اس نے اسے تہی داماں گھر سے بھیج دیا تھا۔
اسی دن عاشر نے اس پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیے تھے اور اس سے اپنا رشتہ ختم کردیا تھا۔ پرانی باتیں سوچ کر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوئی تھیں، لیکن سامنے کھڑے اس کے بڑے بھائی عاشر کا چہرہ بلکل سپاٹ تھا۔
ایک اور منظر اس کی آنکھوں کے سامنے چھانے لگا تھا، جب شادی کے دو ماہ بعد ہی اس کا غیر مسلم شوہر اسے مذہب تبدیل کرنے کے لیے زور بھرنے لگا۔ دونوں کے درمیاں ناچاکی بڑھتی گئی اور جھگڑوں میں تبدیل ہوگئی اور پھر نتیجہ طلاق کی صورت میں نکلا۔ اس وقت اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اور وہ ندامت لیے سلیمان صاحب سے معافی مانگنے کے لیے گھر گئی تھی، لیکن عاشر نے اسے یہ کہہ کر گھر سے جانے کا کہا کہ سلیمان صاحب اس کا چہرہ بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ وہ لاحاصل سی جب اس گھر کی دہلیز سے واپس جارہی تھی، تب اسے یاد آیا تھا کہ والدین کا دل دکھانا اپنے لیے دنیا و آخرت میں دوزخ کو اپنے لیے تیار کرنے کے مترادف ہے۔تین سال تک وہ تنہا زندگی گزارنے کی تگ و دو میں لگی رہی، پھر ایک دن اس کی ملاقات سلیمان صاحب سے ہوئی تھی۔ اس کی ندامت اور تہی دستی ان سے برداشت نہ ہو سکی تھی، جبھی انھوں نے اپنی بیٹی کو معاف کر دیا۔ اسی دن سے سلیمان صاحب دونوں بچوں کے درمیاں حائل دیوار کو توڑنے کی لاحاصل کوشش کرنے لگے۔ بہ ظاہر تو یہ ناممکن سی بات لگتی تھی، لیکن ان کے دل میں اک آرزو تھی جو پوری کرنے کے لیے وہ دن رات دعا کرتے رہے۔
آج چار مہینے بعد وہ باپ کی بیماری کا سن کر دوڑی چلی آئی تھی ۔
”ماورا!ڈیڈ کے پاس وقت بہت کم ہے۔تم ان سے مل لو بلکہ انھیں یہ بھی بتاؤ کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی خطاؤں کو معاف کردیا ہے۔“عاشر نے لب کھولے تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ یہ الفاظ کس طرح اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔
ماورا بے یقینی اور مَسرّت کے ملے جلے تاثرات لیے اسے دیکھنے لگی۔ تین سال پہلے عاشر نے اس کے ساتھ شفقت سے بات کی تھی جس کو اس نے جھٹک دیا تھا۔
”ماورا!کیا ہوا؟تم اندر جارہی ہو میرے ساتھ؟“عاشر نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔
ماورا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک ریلا بہہ نکلا تھا۔ وہ بے خود سی ہو کر عاشر کی جانب دوڑی اور اس سے لپٹ گئی۔
”بھائی !کیا سچ میں آپ نے میری ساری غلطیاں بھلا کر مجھے معاف کر دیا ہے؟“
”ہاں جی۔“عاشر نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر جواباً کہا ۔
”مجھے یقین نہیں آرہا۔“اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
”چلو ڈیڈ کے پاس چل کر باقی باتیں کرتے ہیں۔“ عاشر مسکراتے ہوئے کہا۔
ماورا سے کچھ بولا نہ گیا، اس نے بس ہاں میں سر ہلا دیا اور دونوں کمرے میں داخل ہوگئے۔
”ڈیڈ!میں نے آپ کی بیٹی کو معاف کر دیا، اب یہ صرف آپ کی بیٹی نہیں میری بہن بھی ہے ۔اب آپ بس جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔“عاشر نے بیڈ کے ایک طرف کھڑے ہو کر والد کو مخاطب کیا۔
سلیمان صاحب نے جواباً آنکھیں کھولنے کی کوشش کی ۔انھوں نے عاشر کے ساتھ ماوراء کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ہلکی سی جنبش دی اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔
”ڈیڈ!ڈیڈ۔۔۔۔اٹھیں اور دیکھیں اپنی اولاد کو کہ وہ اب ایک ساتھ ہے۔“ ماورا نے باپ کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر ہلایا ۔
لیکن سلیمان صاحب کی طرف سے کوئی ہلچل نہ ہوئی۔ عاشر نے آئی سی یو مونیٹر پر نظر دوڑائی تو ایک سیدھی لکیر چلنے لگی تھی۔ تارِ نَفَس ٹوٹ چکا تھا۔ زندگی کا خاتمہ تو شاید بہت پہلے ہی ہوگیا تھا،لیکن یہ سانس اپنی اولاد کی خوشیوں کو دیکھنے کے لیے چلتی جا رہی تھی۔
عاشر نے ڈاکٹرز کو بلانے کے لیے بھاگ دوڑ شروع کردی، لیکن ماورا وہیں کھڑی دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا تھا جو سوگوار تھا کہ اسے غلط موقعے پر گرنا پڑا۔ شاید اس آنسو کو کہیں اور والد اور بھائی کے کندھے میں گر کر جذب ہونا تھا اور وہ بھی کسی خوشی کے موقعے پر۔۔۔ لیکن ایسا ہونے سے پہلے اس کے والد کی سانسوں کی ڈوری ٹوٹ چکی تھی۔
عاشر واپس آیا تو ماوراکو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی چھلکنے لگی تھیں،لیکن ان دونوں کے بہتے آنسوؤں میں دکھ کے ساتھ اطمینان تھا کہ ان کے والد انھیں ایک ساتھ دیکھ کر رخصت ہوئے تھے۔ شاید ان کا تارِ نَفَس اس ہی موقعے کے لیے باقی رہاتھا۔

بقیہ
تلاوت وحفظ ہماری میراث

جس کی نظیر دنیاکی کسی قوم میں نہیں ہے،ایک علمِ تجویداوردوسراعلمِ قرات۔ بہرحال تلاوت خود ایک مقصد ہے اور یہ کہنا کہ بنا سمجھے صرف الفاظ کو پڑھنے سے کیا حاصل ہے؟شیطان کی طرف سے دھوکہ اور فریب ہے۔
یادرکھو اُنیسہ !جب تک کسی شخص کو قرآنِ کریم بغیر سمجھے پڑھنا نہ آیا تو وہ شخص دوسری منزل پر قدم رکھ ہی نہیں سکتا۔ قرآنِ کریم سمجھے بغیر پڑھنا پہلی سیڑھی ہے۔اس سیڑھی کو پار کرنے کے بعد دوسری سیڑھی کا نمبر آتا ہے۔ اگر کسی شخص کو پہلی سیڑھی پار کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو وہ دوسری سیڑھی تک کیسے پہنچے گا؟“
”واقعی اس سب کے متعلق تو میں نے غور ہی نہیں کیا۔ ”انیسہ نے شرمندگی سے کہا۔
”اورسنو اُنیسہ !سرکارِ دو عالم ﷺ نے بیان فرمایا کہ یہ قرآن ایسا نسخہ شفا ہے کہ جو اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرے، اس کے لیے تو باعث شفا ہے ہی، لیکن اگر کوئی شخص محض اس کی تلاوت کیا کرے، بغیر سمجھے بھی تو اس پر بھی اللہ تبارک تعالی نے اتنی نیکیاں لکھی ہیں کہ ایک ”الم“ کے پڑھنے پر تیس نیکیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔“آرش نے بات مکمل کر کے اُنیسہ کی جانب دیکھا۔
”جی ہاں، یہ حدیث مبارکہ تو میں نے پڑھ رکھی ہے۔“اُنیسہ نے کہا۔
”پھر بیگم صاحبہ آیندہ حفظ و تلاوت سے متعلق کسی وسوسے اور شک کو دل میں جگہ نہیں دینی۔“
”جی بالکل!“ اُنیسہ نےاثبات میں سرہلایا۔
اللہ نے چاہا تو بچوں کو ترجمہ تفسیر بھی پڑھائیں گے۔ قرآن پاک کے احکامات پر خود عمل کرکےانھیں بھی اس کی ترغیب دلائیں گے۔
اورعصری تعلیم و ہنر میں بھی انھیں آگے بڑھائیں گے۔روشن مقصد اورواضح ذہن کے ساتھ آرش نے کہا تو اُنیسہ نے بھی پختہ ارادے کے ساتھ ان شاءاللہ کہا۔

تیسری قسط

مسیحا کی ناانصافی

تقریباً دو مہینوں بعد ان کے چہروں پر خوشی دیکھ کر وہ خوش ہوئیں مگر ـــ۔ آنے والا وقت انھیں کیا دینے والا ہے، وہ اس سے بے خبر تھی۔

پارٹی کا آغاز ہوچکا تھا۔ آج باذل کی برتھ ڈے تھی۔ باذل نے لائٹ پرپل کلر کی شرٹ اور اسکن جینز پہنے ہوئے تھی۔ ماتھے پر پھیلے بال وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا، کیک کاٹنے کے بعد سب نے اسے گفٹس پیش کیے۔ اس کے سارے دوست اور کلاس فیلوز شامل تھے۔ اسمارہ بھی آئی ہوئی تھی۔ تبھی عائشہ اور عابش آئے اور انھوں نے اسمارہ کو بلایا وہ آئی اور بولی:"Oh you are from7stars?"

"Yes،آپ نے بالکل صحیح پہچانامیں عائشہ اور یہ عابش ہے۔"عائشہ تعارف کراتے ہوئے بولی۔

"کیا آپ ہماری کچھ مدد کرسکتی ہیں۔"عابش نے کہا۔

"مدد اور میں، کیسی مدد؟"وہ حیرت سے بولی۔

"آپ شائزہ کو جانتی ہیں ناں۔"عائشہ نے کہا۔

"جی میں جانتی ہوں۔" اسمارہ نے کہا۔

"اچھا، آپ یہ دیکھیں پلیز!"عائشہ نے موبائل آن کیا، جس میں کچھ تصویریں تھیں۔ اسمارہ وہ دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل رہی تھیں۔وہ please wait a minute کہہ کر واپس چلی گئی۔

"بھائی، یہ دیکھیے!"اسمارہ باذل کو موبائل دکھاتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا ہے؟"اس نے اس سے موبائل لیتے ہوئے کہا۔جب اس نے تصویریں دیکھیں تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"بھائی!آپ نے کہا تھا، آپ اسے نہیں جانتے،پھر؟"وہ ادھوری بات کرکے خاموش ہوگئی۔

"I can't believe it یہ تو ایڈیٹنگ ہے اسمارہ۔"

"یہ بالکل ریئل ہے۔"یہ عابش کی آواز تھی۔

"آپ کون؟"باذل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ شائزہ کو تو جانتے ہی ہوں گے نا!"عائشہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"جی!" ابھی باذل بات پوری نہ کر پایا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔

"ہیلو!جی میں ان کا بیٹا بول رہا ہوں۔"نجانے آگے سے کیا کہا گیا وہ جلدی سے بولا۔

"کیا! کیسے؟ میں ابھی پہنچتا ہوں۔"باذل نے ہاتھ میں پکڑا موبائل اسمارہ کو تھمایا اور دوڑتا ہوا گیٹ کی طرف چلا گیا۔

ڈاکٹر عثمان ڈار کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا اور کسی نے بھی باذل کو اطلاع نہ دی تھی، جب ان کی طبیعت کچھ سنبھلی تو انھوں نے باذل کو بلوایا۔باذل ہسپتال پہنچا اور سیدھا اپنے باپ کے پاس گیا۔ اس نے ان سے اطلاع نہ دینے پر ناراضی کا اظہار کیا تو وہ بولے:"بیٹا! سالگرہ مبارک ہو،اچھا ہواتمھیں اطلاع نہ ملی، ورنہ تمھاری پارٹی خراب ہو جاتی۔"ان کی بات سن کر وہ مسکرایا،مگر اس کے ذہن میں اب تک وہ تصویریں گردش کررہی تھیں۔

شاویز صوفے پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا، جب فاطمہ بیگم وہاں آئیں۔

"بیٹا! کل رات کو آپ کو پارٹی میں خوش دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔"وہ شاویز سے کہنے لگی،مگر وہ خاموش رہا، اتنے میں شافع آیا اور شاویز پر نظر ڈال کر وہ گزرنے ہی لگا تھا کہ فاطمہ بیگم بولیں:"شافع! اگر اپنی ماں سمجھتے ہو تو میری بات مانو اور یہاں آکر بیٹھو۔"شافع کو ان سے اس طرح بات کی توقع نہیں تھی، اسی لیے بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ،مسئلہ کیا ہے؟ پچھلے تقریباً دو مہینوں میں یہ بات نوٹ کررہی ہوں کہ آپ دونوں ایک دوسرے سے بات نہیں کررہے ہیں۔"وہ شاید آج مسئلہ حل کرکے ہی رہنا چاہ رہی تھیں۔ وہ دونوں خاموش رہے، شاویز اخبار چھوڑکر موبائل میں مصروف ہوچکا تھا۔

"آج سارا معاملہ وہاں رکھو، ورنہ دودھ نہیں بخشوں گی۔"ان کی اس بات پر شاویز نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور پھٹ پڑا۔

"موم! آپ بھی مجھے ہی کہیں گی، لاسٹ ٹائم میں نے بات کی تو انھوں نے میری غلطی کی سزا دی، مجھے باتیں سنائیں، میں نے کیا کہا تھا ؟کس بات کا غصہ مجھ پر نکالا؟ آپ پوچھتی کیوں نہیں کہ کس سے ملنے گئے تھے؟ کس سے لڑ کر آئے تھے جو مجھ پر اور بابا پر غصہ کیا۔"وہ مزید کچھ بولتا کہ شافع چلایا۔

"تم میرے سارے پلانز جانتے ہو، سب پتا کرتے ہو، اس دن تم نے کیا کیا تھا؟ اچھی طرح معلوم ہے مجھے۔کس دوست سے ملنے گیا تھا میں، مجھ سے پہلے وہاں پہنچے تھے تم۔ تمھارا کیا خیال ہے،کس سے ملنے گیا تھا میں؟ شائزہ سے ملنے اس کے کالج گیا تھا۔ وہاں تم تھے، تمھیں باتیں سنا کر آیا تھا، گھر آکر مجھے بہت غصہ تھا پلان کے بگڑنے کا اور اوپر سے خود کو معصوم بنا کر کہہ رہے ہو ناکردہ غلطی ـــ۔

ایکسکیوز می بھائی صاحب! میں اس دن شائزہ کے کالج نہیں بلکہ اسد کے پاس گیا تھا اور آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں۔ میں کسی کالج نہیں گیا تھا اور نہ ہی آپ نے کالج میں مجھے باتیں سنائی ہیں سمجھے!!"

"جھوٹ مت بولو! تم تھے وہاں پر ،تمھارے ساتھ اور لڑکے لڑکیاں بھی تھیں، ان کے سامنے بالکل خاموش کھڑے سنتے رہے تھے، کیوں؟"

"نہیں تھا میں وہاں۔"شاویز چلایا۔

"تھے تم!میں کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔"شافع چہرہ سرخ کرتے ہوئے چلایا۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟ کیوں چلا رہے ہو آپ دونوں؟ شایان صاحب آئے تو دونوں خاموش ہوگئے۔ جبکہ بیگم فاطمہ سر پکڑ کر رہ گئیں۔دونوں اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے تھے۔

صبح ہوئی تو باذل بابا کے پاس آیا اور اسمارہ کو میسج کیا کہ وہ تصویریں مجھے سینڈ کرنا۔

"اسمارہ کا رپلائی آیا کہ میرے پاس نہیں ہیں۔"

"وہ seven stars کی گرلز کا تھا۔"اسمارہ بولی۔

"اوکے میں دوپہر تک آؤں گا۔"باذل نے میسج کیا۔

شایان صاحب کے آنے پر دونوں جاچکے تھے لان میں۔

"مزید لڑنے کا ارادہ ہے۔"شافع بولا۔

شاویز خاموش رہا، پھر کچھ توقف کے بعد بولا:"میں آپ کے ساتھ شائزہ کے کالج چلوں گا۔"

"بالکل بھی نہیں!"شافع نے کڑک دار انداز میں جواب دیا۔

شاویز خاموشی سے اٹھا اور اندر جانے لگا۔ تبھی شافع بولا:"بائیک کی چابی دینا۔"شاویز نے خاموشی سے ٹیبل پر لاکر رکھی اور چلاگیا۔

جاری ہے

"بہن جی جلدی کرو، ہمارا اک اک منٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔"

کنڈیکٹر نے سواری کا بیگ اُچک کر بس کی چھت پر پھینکا اور اب جلدی کا شور مچائے ہوئے تھا۔

حارث نے آگے بڑھ کرعورت کی گود سے دو سالہ بچہ اپنی بانہوں میں بھرلیا، جسے اٹھا کر عورت کو بس میں سوار ہونے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔

"آپی آپ ادھر بیٹھ جائیں۔"ایک خالی سیٹ کی طرف اشارہ کیا

وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور شکریہ ادا کر کے اپنا بچہ واپس لے لیا۔

حارث بھی اپنی نشست پر جا بیٹھا، وہ بار بار پریشانی کے عالم میں کلائی گھما کر گھڑی پر وقت دیکھ رہا تھا۔

"بھائی صاحب!اب بس نہ روکیے گا، تمام سیٹیں پُر ہو چکی ہیں۔"

حارث نے ڈرائیور کو باآواز بلند مخاطب کیا۔ کنڈیکٹر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ بس ایک بار پھر رک گئی۔

"بھائی صاحب! سواری کو کہاں بیٹھانا ہے۔"

حارث نے دبا دبا سا احتجاج کیا، مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔اک ضعیف آدمی بس میں سوار ہوا تو حارث اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چاچا جی! یہاں میری جگہ پر بیٹھ جایئے۔"

حارث نے ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنی جگہ بیٹھا دیا اور خود کھڑا ہو گیا۔ کنڈیکٹر اسے دیکھ کر برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ حارث کو اس کا استہزائیہ ہنسنا ناگوار گزر رہا تھا، مگر وہ نظر انداز کرتا رہا۔ لڑائی جھگڑا یا بد تمیزی کرنا اس کی عادت نہ تھی۔

اس نے ایک بار پھر وقت دیکھا، بے چینی اس کے چہرے سے صاف عیاں تھی۔ صد شکر کے بس اب مسلسل سفر میں تھی۔۔۔

اپنا اسٹاپ آتے ہی وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکا، بس سے اتر کر ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ ابھی کچھ دور ہی گیا تھا کہ ایک بندہ سڑک پر بکھری اپنی سبزی چن رہا تھا۔

حارث نے پہلے تو کنی کترا کر گزر جانا چاہا کیوں کہ اسے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی، مگر تربیت نے اجازت نہ دی۔

"بھائی صاحب! یہ کیسے ہوا، میں آپ کی مدد کر دوں؟"

سوال کرنے کے ساتھ ہی وہ پاؤں کے بل بیٹھ کر سبزی چن کر لفافے میں ڈالنے لگا۔

"ایک سائیکل سوار عجلت میں مجھ سے ٹکرا کر گزر گیا، میرا لفافہ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔" آدمی نے رندھی ہوئی آواز میں بتایا۔

اس کی کچھ سبزی خراب بھی ہو چکی تھی۔ حارث کو بہت افسوس ہوا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا سڑک پار کر کے دوسری طرف مڑ گیا، تھوڑی تلاش کے بعد وہ ایک عالی شان عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔

وقت دیکھا تو مایوسی نے اسے گھیر لیا، انٹرویو کا وقت بارہ بجے تک تھا اور اب بارہ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔

حسن اخلاق

"کیا مجھے لوٹ جانا چاہیے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ ماں اور بہن کی آس بھری نگاہیں اس کے سامنے روشن ہو گئیں۔

ہمت مجتمع کر کے وہ امید کا دیا تھامے اندر داخل ہو گیا۔

"جی بھائی صاحب! کدھر کو چلے جا رہے ہو منہ اٹھا کر۔"

چوکیدار نے آواز لگائی۔

"م... میں.. انٹرویو کے لیے آیا ہوں۔"حارث نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"جو شخص وقت کا پابند نہیں اسے نوکری کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

چوکیدار نے اپنے تئیں فلسفہ جھاڑا۔

"گھر سے تو وقت پر ہی نکلا تھا،مگر رستے میں دیر ہو گئی، برائے مہربانی مجھے اندر جانے دو، مجھے نوکری کی اشد ضرورت ہے، میری ماں اور بہن جائے نماز پر بیٹھی دعائیں کر رہی ہیں ،ان کی امید نہ توڑو۔۔۔ مجھے پتہ ہے مجھے نوکری نہیں ملے گی ،مگر میں ایک کوشش کرنا چاہتا ہوں۔"

حارث نے چوکیدار کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ماں اور بہن کا ذکر اس کا دل نرم کر گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے حارث کو جانے کی اجازت دے دی اور خود منہ دوسری طرف کر کے آنکھ کے گوشے صاف کرنے لگا۔

کاؤنٹر پر سیکرٹری کی منتیں کر کے حارث باس کے آفس کی طرف چل دیا۔

دروازے پر دستک دی، اجازت ملنے پر سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وقاص صاحب نے جواب دے کر جب اس کا چہرہ دیکھا تو ان کا منہ مارے حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ حارث کے قدم رک گئے، وقاص صاحب کی حیرت اسے مخمصے میں ڈال گئی۔

"آؤ.... آؤ... بیٹھو، کھڑے کیوں ہو؟ میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"وقاص صاحب گرم جوشی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سر آپ مجھے جانتے ہیں؟"حارث نے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

"نہیں! پہلے تو نہیں جانتا تھا، آج ہی پہلی بار لوکل بس میں تمھیں دیکھا، اب تم میرے آفس آ گئے ہو تو جان پہچان بھی ہو جائے گی۔"وہ مسکرائے۔

حارث بھی بمشکل مسکرا دیا۔

"کہو کیسے آنا ہوا؟"انھوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سر! نوکری کے لیے آیا تھا، مگر رستے میں دیر ہو گئی۔"

اس نے شرمندگی سے کہتے ہوئے اپنی فائل وقاص صاحب کی طرف بڑھا دی۔

"ٹھیک ہے، تمہاری نوکری پکی ہے، کل سے آ جانا۔"

انھوں نے فائل کھولے بنا ہی کہہ دیا۔

"[کیا.! کیا سچ مچ مجھے نوکری دے دی گئی ہے؟"اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

وقاص صاحب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سر آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے بارے میں سوچ رہے تھے۔۔۔ آپ کیا سوچ رہے تھے؟"حارث کو کچھ دیر پہلے کا ان کا کہا ہوا جملہ یاد آ گیا۔

"آج اچانک سڑک پر میری کار خراب ہو گئی، کوئی ٹیکسی نہیں ملی تو میں مجبوراً لوکل بس میں سوار گیا، مجھے انٹرویو کے لیے آفس پہنچنا تھا۔ بس میں تمہیں دیکھا، تم نے جس طرح آگے بڑھ کر عورت اور بوڑھے آدمی کی مدد کی، تمہاری عادت بہت اچھی لگی، پھر میں نے تمہیں سڑک سے سبزی چنتے بھی دیکھا، بہت اچھا لگا۔ کتنے ہی لوگ وہاں سے گزرے مگر کسی نے زحمت نہ کی، تم نے دیر ہونے کے باوجود دوسروں کا احساس کیا۔ تمہارا حسنِ اخلاق مجھے متاثر کر گیا۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم سے کیسے ملاقات کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ملاقات کروا دی۔ میرے آفس کو تمہارے جیسے مخلص بندے کی ہی ضرورت ہے۔"

وقاص صاحب کہہ رہے تھے اور حارث دل ہی دل میں اپنے رب کے بعد اپنی ماں کا شکر گزار تھا کہ وہ بچپن میں اسے سیرت النبیﷺ کی کہانیاں سنایا کرتی تھیں،حسنِ اخلاق کا درس باقاعدگی سے دیا کرتی تھیں۔ اس کی تربیت میں ماں کے بعد زیادہ ہاتھ سیرت النبی کا تھا۔

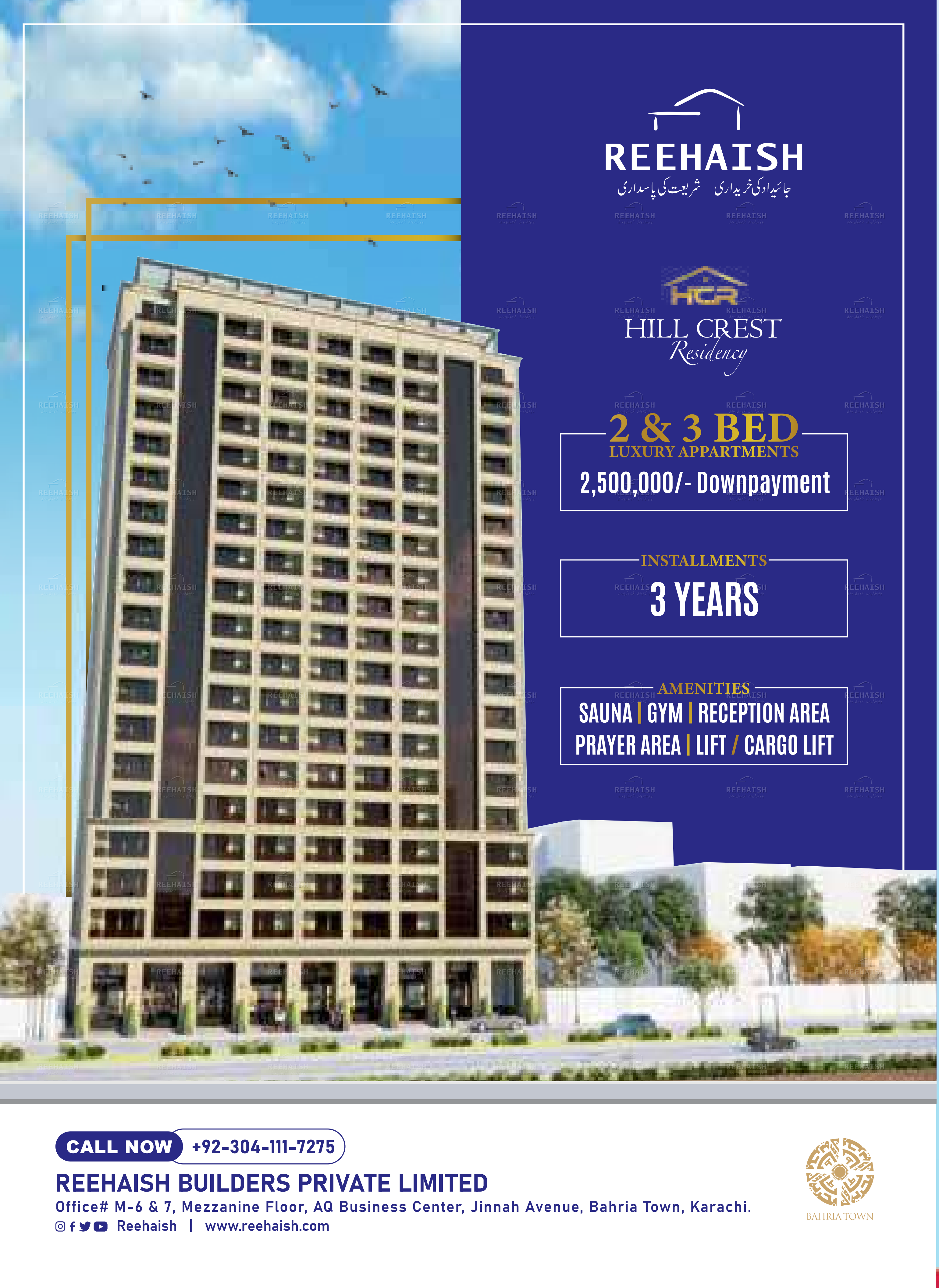

تلاوت وحفظ ہماری میراث

”بچے کون سے اسکول میں داخل کروائے ہیں آپ نے؟“

ابھی چند ماہ پہلے ہی اُنیسہ گاؤں سے اسلام آباد شفٹ ہوئی تھی۔ اس کی پڑوسن ثاقبہ نے اس سے پوچھا جو اسے اپنے گھر ہونے والی گیٹ ٹو گیدر میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے آئی تھی۔

”جی میں بچوں کو حفظ کروا رہی ہوں۔“

”کیا؟“عجیب سے تاثرات ثاقبہ کے چہرے پر ابھرے تھے جنہیں اُنیسہ نے بھی محسوس کیا۔

”آپ کے بچے دیکھنے میں تو اچھے خاصے ذہین اور ٹھیک ٹھاک لگتے ہیں پھر۔۔“ ثاقبہ نے تبصرہ ادھوراچھوڑتے ہوئےاسے پارٹی میں آنے کی تاکید کی اور رخصت ہو گئیں۔

اُنیسہ کو اس بے ربط تبصرے کی سمجھ نہیں آئی تھی بلکہ یوں کہیے اسے یہ تبصرہ بالکل بے ڈھنگا محسوس ہوا۔

بہر طور محلے داری کی بات تھی۔ ثاقبہ اوراُنیسہ کے گھر بالکل ساتھ ساتھ تھے۔ بقول ثاقبہ ہر ہفتے کسی ایک پڑوسن کے گھر پارٹی منعقد کی جاتی جس میں سب ہی خواتین شامل ہوتیں۔ کچھ گپ شپ کچھ کھانے پینے کا دور چلتا۔سب کو ایک دوسرے سے آگاہی ہوتی اور خواتین کی تفریح ہو جاتی۔

اُنیسہ بھی مقررہ دن پر ثاقبہ کے گھر چلی آئی۔ پارٹی میں قریبًا آس پاس کے سب ہی گھروں کی خواتین جمع تھیں۔

خواتین کی گفتگو ٹی وی شوز، رنگ برنگے کھانوں اور برانڈڈ ملبوسات سے ہوتی ہوئی،بچوں کی پڑھائی تک آن پہنچی تھی۔

اُنیسہ کا اپنے بچوں کے حفظ سے متعلق بتانے پر ایک خاتون بڑی قطعیت سے گویا ہوئیں۔

”اچھا! ہم مسلمان بھی عجیب قوم ہیں۔ اللہ پاک نے ایک کتاب اتاری قوانین کی۔اصول وضوابط کی کہ لو بھئی اسے سمجھو اور عمل کرو اور ہم بیٹھ گئےاسے رٹنے اور رٹوانے پر۔

اپنی عقل سے سوچیے کیا کسی بھی ملک میں کوئی بھی قانون کی کتاب رٹی جاتی ہے۔ اب ہمارے قاری حضرات عمل اور نفاذ تو دور کی بات، سمجھتے ہیں نہیں اور قرات اور تلاوت جھوم جھوم کر کر رہے ہیں۔

ارے بھئی! میں نے تو سوچ رکھاہے کہ قرآن پاک ترجمےاور تفسیر کے ساتھ، مکمل سمجھ بوجھ کے ساتھ بچوں کو پڑھواؤں گی۔یہ طوطا مینا کی طرح رٹنا رٹانا نہیں۔“

عجیب نخوت بھرا انداز تھا محترمہ کا، اُنیسہ تو گڑبڑا کررہ گئی۔

ان کی بات اسے عجیب تو لگ رہی تھی،لیکن بظاہر ٹھیک بھی محسوس ہورہی تھی۔ اسے اپنے بچوں کا بنا سمجھے قرآن حفظ کرنے کا دفاع کرنا بھی نہیں آیا اور وہ بجھے دل کے ساتھ گھر واپس آگئی۔

اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہاتھا،حفظ اورقرات سے متعلق دل میں شک سا آگیا۔

”ویسے یہ آپ کو کیا سوجھی بچوں کو حفظ میں ڈال دیا؟“چند ہی دن میں ذہن میں پنپتی الجھن لبوں تک آگئی اور وہ اپنے شوہر آرش سے پوچھ ہی بیٹھی۔

”کیا مطلب؟“ آرش کو اس کے سوال پر حیرت ہوئی۔

مطلب یہ کہ تلاوت اور حفظ کا کیا فائدہ؟جب کہ بچوں کو اس کا مطلب اور معنی تو پتا ہی نہیں۔

”بھئی،یہ نسخہ ہدایت ہے۔ اس کو سمجھ کر انسان پڑھے۔ اس پر عمل کرے تو فائدہ ہوگا۔اب صرف اس طرح یاد کرنے سے کیا حاصل ہو رہا بھلا؟“

”تم سے یہ سب کس نے کہا؟“ آرش اُنیسہ کی بات سن کر ٹھٹھک گیا تھا۔

”ثاقبہ کی پارٹی میں ایک خاتون کہہ رہی تھیں اور ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں۔ اب ڈاکٹر نےدوا دی کھا لو۔ہم دوائی کانام یادکرنےلگ گئے۔کیا فائدہ ہوگااس سے بتایئے ذرا۔“ اُنیسہ نے اپنے تئیں زبردست دلیل کے ساتھ آرش کو قائل کرناچاہا۔

آرش نے سختی سے ہونٹ بھینچے، اسے خطرے کی گھنٹی بجتی سنائی دے رہی تھی۔ ضروری تھا کہ وہ بروقت اس خطرے سے اپنی اہلیہ اوربچوں کوبچا لیتا۔

”یہاں بیٹھو اُنیسہ!اطمینان سے بات کریں۔“آرش نے اُنیسہ کابازو پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔

”یہ جوباتیں تم کررہی ہو۔یہ اتنی سادہ نہیں ہیں۔یہ کفرکےایوانوں میں باقاعدہ مرتّب ہوتی اورعامۃالمسلمین میں پھیلائی جاتی ہیں“اُنیسہ نےحیرت سےآرش کی جانب دیکھا۔

”اب ہم مسلمان اپنے محور سے اتنے دور جا چکے ہیں کہ اپنی اساس کا دفاع کر نہیں سکتے اور بنا پتوار کی کشتی کے ڈولنے لگتے ہیں۔“انیسہ کو آرش کی بات سمجھ نہیں آرہی تھی۔

”جب اس خاتون نے حفظ اور تلاوت پر اعتراض کیا تو تمہیں اسے بتانا چاہیے تھا کہ آپ کی باتیں تو بجز شیطانی دھوکے اور فریب کے کچھ اورنہیں۔“

”مگر آرش۔۔۔“انیسہ نے کچھ کہنا چاہا ۔

”نہیں اُنیسہ، غورسےسنو! حضوراقدس حضرت محمدﷺکوجن مقاصدکےلیے بھیجا گیا، قرآنِ کریم نے ان کو متعدّد مقامات پر بیان فرمایا ہے، ان مقاصد میں دوچیزوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا۔ ایک طرف فرمایا: يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ اور دوسری طرف فرمایا: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ یعنی آپ ﷺ اس لیے تشریف لائے کہ کتاب اللہ کی آیات لوگوں کے سامنے تلاوت کریں، لہٰذا تلاوت کرنا ایک مستقل مقصد ہے اور ایک مستقل نیکی اوراجر کا کام ہے۔ چاہے سمجھ کرتلاوت کرے یا بے سمجھے تلاوت کرے اور یہ تلاوت حضورِ اقدسﷺکی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے، جس کو سب سے پہلے ذکر فرمایا۔

اور قرآن کریم کی تلاوت ایسی بے وقعت چیز نہیں کہ جس طرح چاہا تلاوت کر لیا بلکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو باقاعدہ تلاوت کرنے کا سلیقہ سکھایا اور اس کی تعلیم دی کہ کس لفظ کو کس طرح ادا کرنا ہے۔کس طرح زبان سے ادا کرنا ہے۔اس کی بنیاد پردو مستقل علوم وجود میں آئے،

(بقیہ ص 29 پر)

عید کی عید

عبید ایک پیارا سا بچہ ہے۔وہ آٹھ سال کا ہے۔عبید سبز نگر بستی کے قریب ایک خوب صورت سے ٹاؤن میں اپنے امی ابو کے ساتھ، ایک چھوٹے لیکن پیارے سے گھر میں رہتا ہے۔

ان کا گھر سرخ اور سفید رنگ کا ہے اور وہ لکڑی سے بنا ہوا ہے۔ ترچھی چھت والا اپنا گھر عبید کو بہت پسند ہے۔ دوچھتی میں اس کا خوب صورت بیڈ روم ہے۔مشرقی کھڑکی سے صبح سویرے سورج کی کرنیں عبید کے کمرے میں داخل ہوتی ہیں اور گرم روشنی کا احساس پا کر عبید فوراً بیدار ہوجاتا ہے۔ وہ پہلے کھڑکی سے سورج کے طلوع ہونے کا دلفریب نظارہ کرتا ہے، پھر دانت صاف کرکے اچھے سے منہ دھو کر نیچے کچن میں چلا آتا ہے۔ناشتا کرکے وہ پیدل اپنے اسکول کی جانب چل دیتا ہے۔ راستے میں اسے اپنے دوست مل جاتے ہیں اور وہ ایک ٹولی بنائے ہنستے مسکراتے اپنے اسکول پہنچ جاتے ہیں۔۔۔

اتوار کے دن عبید سبز نگر جاتا ہے۔سبز نگر بستی میں بہت سے جانور رہتے ہیں۔عبید کی سب جانوروں سے خوب دوستی ہے۔

ماہِ صیام کا بابرکت مہینہ شروع ہوا تو امی ابو کے دیکھا دیکھی عبید نے بھی روزے رکھنے کی ضد کی۔

امی جان نے پیار سے سمجھایا:

”بیٹا !آپ پر ابھی روزے فرض نہیں ہوئے۔جب آپ بارہ سال کے ہوجاؤ گے، تب روزے رکھنا۔ہاں!البتہ آپ ابو جان کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز ادا کیا کریں۔۔۔“

”لیکن امی جان مجھے روزہ رکھنا ہے۔“ عبید روہنسا ہوگیا تھا۔

امی اس کے بال سہلائے اور بولی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔تم چڑی روزہ رکھ لینا۔۔۔“

”چڑی روزہ۔۔؟ عبید نے حیرت سے آنکھیں گول گول گھمائیں۔

”ہاں۔۔چڑی روزہ اسے کہتے ہیں کہ سحری کھانے کے بعد دن میں جب بھی بھوک لگے، انسان کھا پی سکتا ہے۔“

”لیکن مجھے پھر ثواب تو نہیں ملے گا روزے کا،کیوں کہ میں تو دن میں بھی کھانا کھاؤں گا؟“چھوٹے عبید نے بڑی بات کی۔امی جان ہنس پڑیں ۔۔۔

”جی نہیں بیٹا!اللہ تعالیٰ سحری کرنے والے کو بھی ثواب دیتے ہیں۔سحری کھانا سنت ہے۔“

یوں پھر عبید روزے رکھنے لگ گیا۔چڑی روزے۔۔۔پہلا عشرہ گزرا پھر دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا عشرہ بھی ختم ہوگیا۔رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ اپنی برکتوں سے مومنوں کو سیراب کرتا تیزی سے اپنے اختتام کی جانب بڑھتا چلا گیا۔پچیسویں روزے کو عبید اپنے امی ابو کے ساتھ بازار گیا اور عید کی خریداری کرنے لگا۔اس نے ایک سفید رنگ کا دیدہ زیب کُرتا خریدا۔ ایک پاجامہ، ساتھ سفید ہی رنگ کے جوتے، ایک کالی گھڑی جس کا ڈائل نیلگوں تھا اور اس کی سوئیاں چمکتے سنہری رنگ کی تھیں۔ عبید نے ایک عینک بھی لی جو بھورے رنگ کی تھی۔ امی ابو نے اپنے کپڑے اور جوتے لیے۔ امی جان نے چند اور ضروری چیزیں خریدیں۔ عبید اب انھیں ایک گفٹ شاپ میں لے آیا۔ وہاں اس نے کچھ چیزیں خریدی اور انھیں دیدہ زیب ریپرز میں پیک کروایا۔واپسی پر اچانک عبید کے ذہن میں کچھ خیال آیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار امی ابو کے سامنے کیا۔ انھوں نے عبید کی خواہش سن کر خوشی کا اظہار کیا اور وہ عبید کی خواہش پوری کرنے دوبارہ ایک اسٹور میں داخل ہوگئے۔ دو گھنٹے بعد سب گھر واپس آگئے تھے۔

چاند رات کو سب بہت خوش تھے۔عبید نے گفٹس پر لگے کارڈز پر اپنے دوستوں کے نام لکھے اور انھیں ایک بڑی سی ٹوکری میں رکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ابو کے ساتھ اپنے کلاس فیلوز اور گلی کے دوستوں کے گھر گیا اور عید کے تحائف تقسیم کر آیا۔اب چند چھوٹے تحفے اور ایک بڑا سا پیکٹ اس کے پاس رہ گیا تھا۔عبید نے بڑا پیکٹ اٹھایا اور اپنی گلی کے چوکیدار کے گھر گیا ۔اس کا گھر گلی کے آخری کونے پر تھا ۔دستک کے جواب میں چوکیدار فیروز دروازے پر آیا، عبید کو دیکھ کر وہ کچھ حیران ہوا۔

”السلام علیکم انکل! یہ میں آپ کے بیٹے کے لیے تحفہ لایا ہوں۔“عبید نے مسکراتے ہوئے پیکٹ ان کی طرف بڑھایا۔

انھوں نے خوش ہوکر عبید کو بہت سی دعائیں دی اور اس کے جذبہ ہم دردی کو سراہا۔

عبید بولا:”میری امی کہتی ہیں عید کی خوشیوں میں غریبوں کو بھی شریک کرنا چاہیے، اس طرح اللہ تعالی اپنے بندوں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔“

”ماشاءاللہ !اللہ پاک تمہیں سلامت رکھے۔“وہ خوشی خوشی پیکٹ لے کر اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

عید کے دن عبید تیار ہوا اور ابو کے ساتھ عید گاہ نماز ادا کرنے گیا ۔واپس آکر اس نے امی اور ابو سے عیدی لی۔

”میں اپنے دوسرے دوستوں کو تحفے دے آؤں؟“ اس نے امی ابو سے اجازت طلب کی توانھوں نے بخوشی اجازت دے دی۔

عبید اب تحفوں والی ٹوکری اٹھا کر سبز نگر پہنچا اور اپنے دوستوں میں تحائف بانٹے۔ سبز نگر کے باسی بہت خوش ہوئے اور انھوں نے عبید کی تواضع مزے مزے کے کھانوں سے کی اوریوں عبید کے لیے یہ عید یادگار بن گئی تھی۔

پورے چاند کی کہانی

”نانو! نانو! دیکھیں نا سائب ماموں مجھے آئس کریم کھلانے نہیں لے جا رہے ہیں ۔کہتے ہیں روزہ کھلنے والاہے، اس لیے مغرب کی نماز کے بعد چلیں گے۔مجھے ابھی آئس کریم کھانی ہےاور سوفٹو سے ہی کھانی ہے۔“مقداد نے نانو سے شکایت کرتے ہوئے کہا: ”اب بھلا یہ کیا بات ہوئی۔مارچ میں کون سا رمضان ہے جو ماموں نے روزہ رکھا ہوا ہے؟“

”اِدھر آؤ میرا پیارا بیٹا! اگر ماموں کہہ رہے ہیں تو یقیناً نماز پڑھ کے وہ لے ہی جائیں گے نا آپ کو، پھر ٹینشن کیا ہے۔ وہ گھر رہنے کے لیے آیا تھا اور جو سب سے چھوٹے ماموں سائب کا لاڈلا ہے۔“نانو نے پیار سے اپنے آٹھ سال کے نواسے کو دیکھا جو آج کل ان کے پاس تھا۔

”پر انھوں نے روزہ رکھا کیوں ہے؟ بتائیں نا۔آپ نے اور وہب ماموں، جویریہ ممانی اور ہالہ خالہ نے بھی روزہ رکھا ہوا ہے۔اب میں کیا کروں۔“سائب سخت بور ہو رہا تھا۔

”اچھا تو جناب کو یہ مسئلہ ہے کہ سب نے روزہ کیوں رکھاہے۔آؤ میں بتاتی ہوں تمہیں ۔“نانو نے مقداد کو اپنے ساتھ بیڈ پہ لٹاتے ہوئے کہا۔

”ایسا ہے نا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر ماہ کی 13، 14 اور 15 کو روزہ رکھو۔“

اور چوں کہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ملتا ہےتو اگر ہم ہر ماہ تین دن روزے رکھیں گے تو ہمیں پورے 30 روزوں کا ثواب مل جائے گا۔ہے نا مزے کی بات!بس اسی لیے ہم سب گھر والے ان تین دنوں میں روزہ رکھتے ہیں ۔

”مگر صرف انھی تین دنوں میں کیوں؟ ہم کوئی سے بھی تین دن روزہ کیوں نہیں رکھ سکتے نانو؟“ مقداد نے پوچھا۔

”سوال تو اچھا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ کہ جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کسی چیز کا حکم دیں تو ہم پر فرض ہے کہ ہم بغیر کسی سوال کے وہ کام کر لیں۔دوسرے ان دنوں کو ایام بیض کہتے ہیں ۔“ مقداد نے نانو کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ ”اب یہ ایام بیض کیا ہے؟“

”اوہو! بھئی میں تو بھول ہی گئی کہ آپ لوگ سائنس انگلش میں پڑھتے ہیں۔ تم نے سائنس کی بک میں tidal change کے بارے میں پڑھا ہو گا نا، جب سمندر کی لہروں میں مدوجزر یعنی tidal change پیدا ہوتی ہے تو اس کی کیا وجہ ہوتی ہے معلوم ہے نا؟“نانو نے پوچھا۔

”جی ہاں!جب پورا چاند ہوتا ہے تو اس کی کشش سمندر کی لہروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، جس سے لہریں چاند کی سمت بڑھتی چلی جاتی ہیں اورلہروں میں جوار بھاٹا پیدا ہو جاتا ہے۔اسی کو Tidal change کہتے ہیں۔“مقداد نے جھٹ سے قابلیت جھاڑی۔

”ماشاءاللہ! میرے بیٹے کو تو سب پتا ہے ۔ہاں جی! یہ جوار بھاٹا پورے چاند کی راتوں میں ہوتا ہے اور انھی راتوں کو ایام بیض کہتے ہیں یعنی ”سفید دن“ کبھی دیکھا ہے جب فل مون ہوتا ہے تو کیسے ہر طرف سفید سفید چاندنی پھیلی ہوتی ہے تو اسی وجہ سے انھیں سفید دن کہا جاتا ہے، جیسے: سمندر کی لہروں میں چاند کی کشش کی وجہ سے اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے ،ویسے ہی انسان اور جانور بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان میں ہارمونل چینجیز پیدا ہوتی ہیں اور کچھ تبدیلیاں آ جاتی ہیں، جیسے:نیند کم ہو جاتی ہے یا کچھ لوگوں کو غصہ زیادہ آتا ہے۔ جانور زیادہ وائلڈ ہو جاتے ہیں۔ جانور تو جانور ہیں انھیں تو کوئی عقل تمیز ہوتی نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے۔تم نے لفظ پڑھا ہے نا Lunar تو یہ لفظ Lunacy سے نکلا ہے جو لاطینی زبان کے لفظ Lunaticus سے نکلا ہے،جس کا مطلب ہے ”چاند کا۔“ کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق دماغی صحت سے بھی ہے۔ اسی لیے جب کوئی ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے تو اسے Lunatic کہتے ہیں۔

تو دماغ کو قابو میں رکھنے اور انسانی جذبات کو چاند کی کشش سے بچانے کے لیے ہمیں حکم دیا گیا کہ ان تین دنوں میں روزہ رکھیں ،آئی سمجھ؟“نانو نے پوچھا۔

”سمجھ تو آگئی، مگر روزہ کیسے ہمیں بچا سکتا ہے؟“ مقداد نے الجھن سے کہا۔

”ہمم!دیکھو جب ہم روزہ رکھتے ہیں نا توہر غلط کام چھوڑ دیتے ہیں۔ بھوکا رہنے سے ہمارے ہارمونز کا لیول بھی مناسب رہتا ہے۔ اس طرح دماغ میں الٹے سیدھے خیالات بھی نہیں آتے اور ہم کسی بھی گناہ سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ ایسے بچاتا ہے روزہ ہمیں۔ اسی لیے نبیﷺ کی بہت سی احادیث میں ان دنوں کے روزوں کا ذکر ہے جیسے:بخاری 1975 اور نسائی 2424 میں۔نا صرف ہم کسی بھی بیماری سے محفوظ رہتے ہیں بلکہ ہمیں ثواب بھی کتنا ملتا ہے نا تین روزے ایک مہینے میں 36 پورے سال میں اور ثواب پورے 360 دنوں کا یعنی پورے سال کے روزوں کا سبحان اللہ!“ نانو نے کہا۔

”واؤ! نانو!اتنا ثواب۔میں بھی کل روزہ رکھوں گا، بلکہ ہر ماہ ایامِ بیض کے روزے رکھوں گا۔“ مقداد نے متاثر ہو کر کہا۔

”انشاءاللہ! ٹھیک ہے، کل میں آپ کو بھی اٹھا دوں گی ،آپ بھی روزہ رکھ لینا۔اب کیا پروگرام ہے آئس کریم ابھی کھانی ہے یا مغرب کے بعد؟“نانو نے مقداد کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

”نہیں، وہ تو سائب ماموں کے ساتھ نماز پڑھ کے ہی کھانے جاؤں گا۔ ابھی تو میں ممانی اور خالہ کی ہیلپ کرنے کچن میں جا رہا ہوں، تاکہ افطاری بنانے کا کچھ ثواب مجھے بھی تو ملے۔“ مقداد نے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا تو نانو مسکرا دیں۔

مکھن لگی روٹی

”مجھے نہیں کھانا یہ سالن۔“ وہ قطعیت سے کہتا دسترخوان سے اٹھ کر جاچکا تھا۔
فرح بے بسی سے سر تھام کر رہ گئی۔

”امی مجھے پچاس روپے دے دیں۔“ شام میں وہ چائے بنارہی تھی کہ پیچھے سے اسے حذیفہ کی آواز سنائی دی۔
”کس لیے؟“ اس نے پلٹ کر اس سے سوال کیا۔
”فرنچ فرائز کھانے ہیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔“
”میں گھر میں بنادیتی ہوں۔“ وہ نرمی سے بولی۔
”نہیں مجھے باہر کے ہی کھانے ہے۔“
اسے بس باہر کی چیزوں کے ذائقہ لگے تھے، باہر ملنے والی کھانے پینے کی چیزیں کس طریقہ سے اور کیسے تیل میں تیار کی جاتی ہیں، اسے اس کا علم نہ تھا۔
وہ مصلحتًا خاموش ہوگئی کیوں کہ وہ دوپہر میں کچھ بھی کھائے بے بغیر ہی سو گیا تھا۔
”میں تمھیں پیسے دے دوں گی، مگر ایک شرط پر۔۔۔رات میں دال چاول بنارہی ہوں وہ کھانے پڑیں گے۔“
”ہاں، وہ تو میں کھالوں گا پر آپ جو یہ بھی پھیکا سا سالن پکاتیں ہیں وہ مجھ سے کھایا نہیں جاتا۔“
وہ پیسے لے کر فوراً گھر سے باہر چلا گیا۔

حذیفہ اور اس کا دوست وسیم دونوں لنچ ٹائم میں بیٹھے پیزا کھارہے تھے۔ کل وسیم اپنی مما سے نگٹس بنواکرلایا تھا، سو آج حذیفہ نے بھی فرح سے ضد کرکے لنچ کے لیے پیزا بنوالایا۔
ابھی حذیفہ نے دوسرا پیس اٹھایا ہی تھا کہ علی ان کے برابر لگی بینچ پر آبیٹھا اور اپنا ٹفن کھولنے لگا۔
اس نے دیکھا کہ علی نے ٹفن سے روٹی نکالی، پھر اس کو اس نے رول کر کے کھانا شروع کردیا۔
کیا وہ خالی روٹی کھارہا ہے؟ اسے بڑی حیرانی ہوئی اور کچھ کچھ تجسّس بھی۔
”علی پیزا لوگے؟“ اتنے میں وسیم نے علی کو پیشکش کی۔
”نہیں، مجھے مکھن لگی روٹی بہت پسند ہے۔“ وہ بڑی رغبت سے روٹی کھاتے ہوئے بولا۔
”ارے! روٹی اور مکھن بھی کوئی کھانے کی چیز ہے بھلا؟“ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

دوسرے دن بھی لنچ ٹائم میں وہ اور وسیم ساتھ میں فرنچ فرائز سے لطف اندوز ہورہے تھے کہ علی پھر برابر والی بینچ پر آبیٹھا۔
آج بھی وہ مکھن لگی روٹی اسی رغبت سے کھارہا تھا۔ حذیفہ کو کئی بار فرح کبھی انڈا پراٹھا، کبھی قیمہ پراٹھ لنچ میں زبردستی دے ہی دیتی تھی، مگر وہ اس دن بڑی بے دلی سے لنچ کرتا اور آدھا یونہی بچاکر گھر لے آتا۔
فرح کو رزق کی ناقدری پر افسوس ہوتا، اس لیے وہ اس کی مرضی کا ہی لنچ دیتی کہ کم ازکم رزق ضایع ہونے سے تو بچ جائے گا اور اس کا پیٹ بھی بھر جائے گا۔
حذیفہ نے دیکھا کہ وہ بڑے مزے سے اپنی روٹی کھانے میں مگن تھا، حذیفہ کو اپنے مزیدار فرائز ایک دم سے بد ذائقہ لگنے لگے، اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ علی کا لنچ چکھ کردیکھے۔

اس دن وہ گھر آیا تو بھوک سے اس کا برا حال تھا، لنچ میں جو فرائز اس نے خریدے تھے، اس سے کھائے ہی نہ گئے اور اس نے پوری پلیٹ وسیم کو دے دی، وہ اندر آیا سلام کیا اور بیگ فرح کو دے کر خود جوتے اتارنے لگا۔
کپڑے بدل کر اور منہ ہاتھ دھوکر آیا تو فرح سے پوچھنے لگا: ”آج کھانے میں کیا ہے؟“
فرح نے چکن پر مسالہ لگا رکھا تھا جو کہ اس کو بہت پسند تھا، مگر اس کا دل چکن کھانے پر بھی آمادہ نہ ہوا، اسے علی کے جیسے مزیدار لنچ کی طلب ہورہی تھی۔ اس نے تھوڑے جھجھکتے ہوئے امی سے فرمائش کر ہی دی۔
”امی ایک پراٹھا بنادیں گی اور اس پر تھوڑا مکھن بھی لگادیں گی؟“
اس کی فرمائش فرح کو خوش گوار حیرت میں مبتلا کرگئی، اس نے پراٹھا بناکر دیا تو اس نے بڑے شوق سے کھایا۔ فرح کا دل اس دن بہت خوش ہوا کیوں کہ وہ گھر کا پراٹھا شوق سے نہیں کھاتا تھا، پر آج فرمائش کرکے اس نے مکھن کے ساتھ کھالیا تھا۔
پھر آئستہ آئستہ اس کے معمولات بدلنے لگے تھے، اس کی پسند کی چیز نہ بھی پکتی تو وہ چپ چاپ کھالیتا۔ فرائز کھانے ہوتے تو گھر میں خود بنالیتا۔ اب وہ لنچ میں کبھی کباب روٹی اور کبھی آلو کا پراٹھا اور کبھی پلاؤ بھی لے جاتا۔
ایک رات اس نے سونے سے پہلے دودھ کی فرمائش کی۔ وہ دودھ پینے میں حد درجہ نخرے کرتا تھا اور آج خود مانگ کر پی رہا تھا۔ وہ دودھ پی چکا تو فرح بولی۔
”بیٹے! میں کئی دن سے تمھاری عادتوں میں واضح تبدیلی دیکھ رہی ہوں، جو میرے لیے بہت خوشی کا باعث ہیں۔“
”جی امی! اب میں نے خود سے عہد کیا ہے کہ کھانے کی چیزوں کا احترام کروں گا اور اللہ کے رزق میں عیب بالکل نہیں نکالوں گا۔“
”یہ تو بہت اچھی بات ہے میرے بیٹے، میں خود تمھیں سمجھنا چاہتی تھی، مگر میں تمہارا رویہ دیکھ کر ہر بار خاموش رہ جاتی تھی، پر میں تمھاری ہدایت کے لیے ہر وقت دعاگو رہتی تھی، تم جانتے ہو“ ہمارے نبی کریم ﷺ کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالتے تھے، کبھی کوئی روٹی کا ٹکڑا گرا ہوا نظر آتا تو اٹھا کر صاف کرکے کھالیتے۔ جو رزق کی قدر نہیں کرتا، پھر اللہ پاک اس کے رزق سے برکت اٹھالیتے ہیں۔“
”جی امی! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میرے دوست علی کے ساتھ ایسا ہوچکا ہے۔“

”علی ہماری کلاس میں ایک نیا بچہ آیا ہے، وہ ایک بار ہمارے برابر بینچ پر لنچ کرنے لگا اور لنچ میں مکھن لگی روٹی بڑے مزے سے کھارہا تھا، میں نے اس کا مذاق اڑایا۔
پھر مما دوسرے دن بھی وہ وہی لنچ اسی طرح مزے لے کر کھارہا تھا۔ میں بہت حیران ہوا اور اس کے پاس جاپہنچا۔“
”تم نے کل بھی لنچ میں روٹی کھائی اور آج پھر۔۔۔تم ایک ہی چیز کھاتے کھاتے اُکتاتے نہیں؟“
”نہیں، بالکل بھی نہیں۔“ وہ مسکراکر بولا۔
”تمہارا دل نہیں چاہتا فرائز اور نگٹس پیزا کھانے کا؟“ میں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔
”دل چاہتا ہے اور میں کھاتا بھی ہوں پر کبھی کبھی۔ کیا تم روٹی کو کوئی معمولی چیز سمجھتے ہو؟“
”ہاں! روٹی تو سالن کے ساتھ کھائی جاتی ہے، میں تو ایسے بالکل نہیں کھاسکتا۔“
”میرے دوست! یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے اور جو اللہ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا، پھر اللہ جی اس سے ناراض ہوجاتے ہیں۔“
وہ آزردگی سے بولا۔

”کچھ عرصے پہلے تک میں بھی اس کی اہمیت سے ناواقف تھا مجھے بھی برگر پسند تھے، باہر کے کھانوں کے آگے میں گھر کے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔“ وہ اپنی کہانی سناتے ہوئے بولا۔

”ارے! یہ فروٹ رکھے رکھے سڑگئے یاد ہی نہیں رہا۔“ فروا نے پھلوں کی ٹوکری جو وہ نیچے کیبنٹ میں رکھ کر بھول چکی تھی نکالی اور سارا خراب فروٹ ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔
”مما میرا دل نہیں چاہ رہا ہے سبزی کا مجھے برگر منگادیں۔“
”اچھا، چلو تین منگالو، اسد بھی شوق سے کھاتا ہے اور تھوڑا سا میں بھی چکھ لوں گی۔“
یوں اس رات فروا اور بچوں نے برگر سے پیٹ بھر لیا، سبزی اور روٹی صرف اس کے شوہر احسن نے کھائی۔
صبح اسے اپنی بہن کے گھر جانا تھا تو سبزی اور روٹی یونہی رہ گئی۔ رات کو گھر آئی تو بہن نے بریانی کی تھیلی ساتھ کردی، سو دوپہر میں ایک دن پرانی باسی سبزی کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ سبزی اس نے تھیلی میں ڈال کر باہر منڈیر پر رکھوادی اور روٹی باسی ٹکڑوں کی نظر ہوگئی۔
اسی طرح ان کے روز وشب اللہ کی نعمتوں کو ضایع کرنے میں گزر رہے تھے۔ انھیں اللہ کی نعمتوں کی قدر ہی نہ تھی، یہاں تک کہ وہ لوگ رزق کو ضایع کرتے کرتے ایک دن اللہ کی اس نعمت سے محروم ہوگئے۔ اس کے بابا کی جاب ایک دم سے بغیر کسی وجہ کے ختم کردی گئی۔ ساری جما جکڑی ایک ماہ میں ختم ہوگئی۔ قریبی رشتہ دار مہنگائی کے دور میں جتنی مدد کرسکتے تھے، انھوں نے کی، پھر وہ بھی اپنی زندگیوں میں مصروف ہوگئے۔ احسن نے جاب کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر بے سود۔۔۔
ایک دن تو گھر میں فاقہ تک کی نوبت آگئی۔ فروا گزرے دنوں کو یاد کرکے رونے لگی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔
وہ وضوکرکے رب العالمین کے حضور سربسجود ہوگئی، اس نے دل سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی، پھر یہ فروا اور احسن کا معمول بن گیا، وہ توبہ کے نفل پڑھتے اور روکردعائیں مانگتے، پھر جلد ہی احسن کی جاب لگ گئی جو پہلی والی جاب سے کئی گنا اچھی تھی، اس دن فروا اور احسن کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے۔ انھوں نے رب کا ڈھیروں شکر ادا کیا اور آیندہ کے لیے پکی سچی توبہ کی اور رزق کا احترام خود پر لازم کرلیا۔

”اس لیے مجھے یہ روٹی بھی اب بڑی لزیز لگتی ہے، کیوں کہ میں اس روٹی کی قدرو قیمت اچھی طرح جان چکا ہوں۔“
”میں گم صم سا بیٹھا علی کو سن رہا تھا اور میرا دل خوف سے لرز رہا تھا کہ جیسا علی کے ساتھ ہوا ہے، ایسا میرے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، کیوں کہ میں بھی آئے دن رزق کی ناشکری کرتا رہتا ہوں۔ اس لیے امی میں نے خود سے عہد کیا کہ مجھے رزق کی قدر کرنی ہے اور میں اب اللہ کی ہر نعمت کھاؤں گا اور شکر کروں گا، تاکہ اللہ پاک مجھ سے ناراض نہ ہوں۔“
”ان شاء اللہ! میرے بیٹے تم نے ٹھیک کہا۔ نعمت کی ناشکری کی جائے تو وہ چھن جاتی ہے جبکہ شکر کرنے سے نعمت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔“

سب سے اچھے میٹھے بول

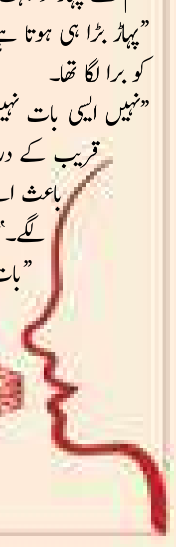

چار سُو سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا دل کو بہت راحت پہنچا رہی تھی۔ درختوں کے سبز پتے بھی جھوم جھوم کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پرندے بھی چہچہاتے، کبھی ایک ڈالی سے دوسری ڈالی پہ اُڑ کر جاتے اور خوش گوار موسم سے لطف اندوز ہوتے۔
ماہم، معیذ، مریم اور علی کافی دیر سے باغ میں موجود تھے۔ آج وہ سب باغ کی سیر کو آئے تھے۔ یہ باغ ایک سرسبز پہاڑ کے ساتھ واقع تھا جس کے پاس سے ایک ندی بھی بہتی تھی۔
ماہم اور معیذ بہن بھائی تھے اور انھیں باغ میں جا کر اپنی من پسند کہانیاں پڑھنا بہت پسند تھا۔ اسکول کے امتحانات کے باعث وہ کافی مصروف رہے تھے، مگر امتحانات کے ختم ہوتے ہی انھوں نے اپنے تایا ابو کے ساتھ باغ میں پکنک کا ارادہ بنایا تھا۔ علی اور مریم ان کے تایا زاد تھے اور ان سے دونوں کی خوب بنتی تھی۔ علی کو بس رنگ برنگی تصویریں بنانے کا شوق تھا۔ تبھی وہ اپنی ڈرائنگ کی کاپی اور رنگ ساتھ لے کر آیا تھا، جبکہ مریم کو بچوں کے میگزین سے رنگ برنگی تصویریں دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا۔
”دیکھو! میں نے اس پہاڑ اور آسمان کی کیسی تصویر بنائی؟“ علی نے ان تینوں کو اپنی بنائی ہوئی تصویر دیکھائی تھی۔ ”واہ! علی یہ بہت خوب صورت ہے۔“ مریم نے خوشی سے پلکیں جھپکائیں تھی۔ ماہم نے بھی تعریف کی تھی۔ معیذ نے البتہ کچھ خاموشی کے بعد بہت غور سے تصویر کو دیکھتے اس کی غلطی کی نشاندہی کی تھی۔
”تم نے پہاڑ تو بہت بڑا بنایا ہے اور درخت چھوٹا۔“ علی نے حیرت سے اسے دیکھا۔
”پہاڑ بڑا ہی ہوتا ہے اور درخت چھوٹا، تم جان بوجھ کر میری غلطی نکال رہے ہو۔“ علی کو برا لگا تھا۔
”نہیں ایسی بات نہیں، قریب کی چیز بڑی اور دور کی چیز ہمیشہ چھوٹی ہوتی ہے۔ تمھیں قریب کے درخت کو بڑا بنانا چاہیے اور پہاڑ بے شک بڑا ہو، مگر دور ہونے کے باعث اسے کچھ چھوٹا ہونا چاہیے، تاکہ تصویر دیکھنے والوں کو یہ حقیقی تصویر لگے۔“ معیذ نے وضاحت کی تھی۔
”بات تو ٹھیک ہے۔“ مریم نے اس کی تائید کی۔ علی نے اس کی بات مانتے ہوئے تصویر کو دوبارہ سے بنایا تھا۔ اس بار یہ تصویر پہلے سے کہیں زیادہ بہتر تھی اور دِکھنے میں بھلی محسوس ہو رہی تھی۔
”واہ معیذ! یہ تو اب پہلے سے اچھی لگ رہی ہے۔“ علی کو خود ہی اپنی ڈرائنگ کی تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔ معیذ نے بھی اسے شاباش دی۔
”بڑوں کا کام غلطی کو سدھارنا اور سمجھانا ہی ہوتا ہے جو بچے اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں، بہت جلدی سیکھتے ہیں۔ مجھے امید ہے تم کچھ دنوں میں اس سے بھی بہترین ڈرائنگ بناؤ گے۔“
معیذ کی بات سن کر اس نے خوشی سے سر ہلایا اور اپنے والدین کو وہ تصویر دِکھانے بھاگا تھا۔ باقی تینوں بچے بھی اس کے ساتھ ہی امی ابو کے پاس آ گئے تھے، کیوں کہ انھیں بھوک لگ رہی تھی۔
ماہم اور معیذ کی امی سینڈوچ، جوس، چائے بنا کر لے کر آئیں تھیں، جبکہ تائی اماں نے پیزا اور چپس بنائے تھے۔ بچوں نے بہت مزے مزے سے چیزیں کھائیں اور سر سبز نظاروں سے لطف اندوز ہوئے تھے۔
علی نے اپنی ڈرائنگ اپنے ابو کو دِکھائی تو انھوں نے شاباشی دیتے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ اس نے بتایا کہ کیسے معیذ نے اس کی غلطی نکالی اور اس کی مدد کی۔
تایا ابو یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ علی معیذ سے دو سال چھوٹا تھا، تبھی معیذ کی ڈرائنگ بھی بہت اچھی تھی۔
”بہت شکریہ معیذ! ہمیں ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے اور اچھے الفاظ میں دوسروں کی اصلاح بھی کرنی چاہیے۔ اس طرح نہ صرف انسان سیکھتا ہے اور اپنے کام میں مہارت حاصل کرتا ہے بلکہ اپنے پچھلے کام سے موازنہ بھی جاری رہتا ہے۔“
تایا ابو کی بات سن کر معیذ بہت خوش ہوا اور اس نے دل میں عہد کیا کہ وہ آیندہ بھی ایسے ہی اپنے دوستوں کی اصلاح کرتا رہے گا، مگر سخت الفاظ استعمال کیے بغیر تاکہ وہ اس سے بدگمان نہ ہو جائیں۔
پیارے بچو! ہمیں ہمیشہ دوسروں کی مدد کرنی چاہیے، ان کی اچھے الفاظ سے اصلاح کرنی چاہیے۔ تلخ اور برے الفاظ کا اثر ہمیشہ الٹ ہوتا ہے اور لوگ برا منا جاتے ہیں، اس لیے ہمیشہ میٹھے بول بولیں!!!

The INTELLECT School
Building Character

We are Hiring for the Session 2022-23

Join our Team

Available Positions:

* Senior Academic Management
* O & A Level Subject Teachers
* Secretary to the Board
* Procurement Officer
* Montessori Directress
* English Coordinator plus Teacher
* Islamiyat/Tarbiyah Teacher for (grades IV & V)
* Class Teachers (grades II & III)
* Assistant Teachers
* English, Math, Science & Urdu Teachers (grades VI to VIII)

Email your resume at: jobs@theintellect.edu.pk
For more details please contact
www.theintellect.edu.pk 021-35110101-7

ویل

آج سب بچے بہت خوش تھے۔ وہ سب سمندر کی سیر کو آئے ہوئے تھے۔ وسیع و عریض سمندر حدِّ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ سب بچے نہا کر تھک کر تو ساحل کی گیلی ریت پر آبیٹھے اور سمندر کی لہروں پر نظریں جمادیں۔

”یہ سمندر کتنا وسیع و عریض ہے ناں!!“ وانیہ کہہ رہی تھی۔

”ہاں بالکل، کرّۂ ارض کا تین چوتھائی حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے۔“ امی نے جواب دیا۔

”اس میں بہت سی قسموں کے نباتات، حیوانات وغیرہ پائے جاتے ہیں، کچھ کو تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، لیکن ایسے بھی ہیں جو ہم کو خوردبین کے بغیر نظر نہیں آتے۔“ خالہ جان نے کہا۔

”سمندر میں زیادہ تر مچھلیاں ہی ہوتی ہیں۔“ارحم بولا۔

”نہیں بیٹا،ایسا نہیں ہے! ہم لوگ عموماً ہر سمندری مخلوق کو مچھلی ہی کہہ دیتے ہیں۔ ہر سمندری مخلوق مچھلی نہیں ہوتی جیساکہ ویل کو ویل مچھلی کہا جاتا ہے،وہ مچھلی نہیں ہوتی۔ مچھلیاں تو انڈے دیتی ہیں جبکہ ویل بچے دیتی ہے۔“امی نے بتایا۔

”مجھے تو ہاتھی پسند ہے۔ویل پسند نہیں ہے۔“ننّھے عبداللہ نے کہاتوسب ہنسنے لگے۔

”ارے ہاتھی خشکی پر رہتا ہے۔ ویل پانی کا جانور ہے بلکہ ہم ویل کو پانی کا ہاتھی کہہ سکتے ہیں۔ پانی کا عظیم الشان ہاتھی۔ ویل سمندر کا سب سے بڑا جاندار ہے۔“ خالہ جان بولیں۔

”میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا ،ویل کی سو سے زائد اقسام ہیں، ان میں سب سے چھوٹی ویل کا وزن ساڑھے تین سو کلو گرام ہوتا ہے، جبکہ لمبائی ڈھائی میٹر ہوتی ہے۔“ وانیہ بولی۔

سمندر پر ٹھنڈی ہوائیں چلنا شروع ہوگئی تھیں۔بچے سکڑ کر بیٹھ گئے۔

”رات کےوقت سمندر کیسا لگتا ہوگا ناں!! گہری تاریک۔“ ابان نے سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں بیٹا، ایسا ہی ہے۔ ویل کو گہرے تاریک سمندر میں بھی لہروں کی حرکت سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ کوئی شکار یا اس کا دُشمن اس سے کتنے فاصلے پر ہے۔“ امی بولیں۔

”یعنی ویل ہلکی سے ہلکی آواز بھی سن لیتی ہے۔“ مصعب نے پوچھا۔

بچے بہت دل چسپی اور شوق سے ساری باتیں سن رہے تھے اور گفتگو میں حصہ بھی لے رہے تھے۔

”ویل کے بچے کیسے لگتے ہوں گے؟ کیا بہت بڑے؟“ ارحم کی مُنّی بہن نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

”دیکھو بیٹا! مادہ ویل دو یا تین برسوں میں ایک بچہ دیتی ہے۔ ماں ویل اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ اچھی پرورش کرتی ہے۔ جلد ہی ویل کا بچہ تیرنے لگتا ہے اور پھر وہ بھی اپنے والدین کی طرح جلد ہی ایک بڑے پہاڑ کی طرح دکھائی دینے لگتا ہے۔“ خالہ جان نے کہا۔

”نیلی ویل سب سےزیادہ وزنی ہوتی ہے۔“ابوجان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔”اس کے دل کا وزن 600 کلو گرام ہوتا ہے، جبکہ اس کی زبان کا وزن 3ٹن ہوتا ہے، یعنی قریباً ایک ہاتھی جتنا۔“

”اُف اتنا وزن!!!“ ابان نے جھرجھری لی۔”یہ تو ایسا لگتا ہوگا جیسے سمندر میں کوئی پہاڑ ہو۔“

”میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ویل کے سانس لینے کا انداز بہت ہی نرالا اور منفرد ہے۔ آب دوز کی تیاری میں ویل کے تنفس کے نظام ہی سے مدد لی گئی ہے۔“ وانیہ نے کہا۔

”ہاں ہاں، بالکل ایسا ہی ہے۔ انسان نے جانوروں اور پرندوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ پرندوں سے اڑنا سیکھا یعنی جہاز کے ذریعے۔“ابو جان بولے۔

”ہاں اور ویل کے اوپر یعنی کچھ میٹر اوپر ایک پر سا لگا ہوتا ہے جو سمندر کے اوپر تیرنے والی اشیا کو تباہ کردیتا ہے۔ یہ بہت مضبوط پر ہوتا ہے۔ اپنے راستے میں آنے والا برفانی تودہ بھی کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔“ خالہ جان نے کہا۔

”ایک ویل کتنا جی لیتی ہے؟ یعنی اس کی عمر کتنی ہوتی ہے؟“ ابان نے پوچھا۔

”ویل کی مختلف اقسام ہوتی ہیں، نیلی ویل 80 سے 90سال جی لیتی ہے۔“

”اوہ!“ بچوں نے حیرت کا اظہار کیا۔ بچے اب تھک چکے تھے، اُن کو نیند آ رہی تھی۔

”اب گھر چلنا چاہیے۔“ امی جان بولیں۔

”امی ویل کو بھی تو نیند آتی ہوگی۔ وہ کیسے سوتی ہے؟“ ارحم نے پوچھا۔

”یہ پانی میں ہی خاموشی سے آرام کرتی ہے اور سوتی ہے تو اس کے تیرنے کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے۔ نصف گھنٹے سے زائد نہیں سوتی۔ سوتے میں ان کا دماغ ہوشیار رہتا ہے اور ایک آنکھ کھلی رہتی ہے۔“ابو جان بولے۔

”اور پانی، کیا ویل پانی پیتی ہے ،جیسا کہ خشکی پر رہنے والے جانور پیتے ہیں؟“ مصعب نے جلدی سے سوال کیا۔

”نہیں، ویل خشکی کے جانوروں کی طرح پانی نہیں پیتی۔“ خالہ جان نے فوراً جواب دیا۔

بچے اب تھک چکے تھے، وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ امی اور خالہ جان نے سامان سمیٹنا شروع کیا۔ بچوں نے بھی آگے بڑھ کر مدد کرنا شروع کردی۔ اسی دوران میں ابو جان کہنے لگے:”ویل کو چوں کہ انگریزی میں (WHALE) لکھا جاتا ہے، اسی سے متاثر ہوکر اردو والوں نے وہیل لکھنا شروع کر دیا جب کہ اس کا درست املا بغیر ’ہ‘ کے ہے ۔ اسی طرح گاڑی کے پہیے کو انگریزی میں (WHEEL) کہتے ہیں تو اردو والے اسے وھیل لکھنے لگے ہیں۔ اس کا درست املا بھی بغیر ’ہ‘ کے ہے۔“

” آپ نے اردو کا پیریڈ شروع کر دیا۔“جوں ہی ابو جان نے بات مکمل کی امی جان بول پڑیں۔

”ارے نہیں بیگم! پیریڈ کیا لینا، بس ایک بات یاد آگئی تو بچوں کو بتانا ضروری سمجھا،تم بھلے سے وھیل لکھو وہیل یا ویل تمھیں ویل نے کچھ نہیں کہنا۔“

اس دوران میں تیاری مکمل ہو چکی تھی، سب چلنے لگے اور ننّھا عبداللہ اُچک اُچک کر سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید اُسے کوئی ویل نظر آ جائے، وہ بھی تو دیکھے کہ پانی کا یہ عظیم الشان ہاتھی کیسا ہوتا ہے!!!

بچوں کے فن پارے

امرہ بانو، اقراء جنت الاطفال، کراچی

سحلہ نوید، جامعہ بیت السلام، کراچی

حمیرہ جہان زیب، شمشیر اقراء روضۃ الاطفال، کراچی

نسیبہ علوی، کراچی

عبدالباری، پانچ سال، دی وے اسکول، کراچی

حبیب اللہ، بیت السلام، شکارپور

محمد عبداللہ، ایف آئی جی ری بجک، اسلام آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے۔ مارچ 2022ء میں عبداللہ سلیم کا اور اپریل 2022ء میں نسیبہ علوی کا فن پارہ انعامی قرار دیا گیا ہے۔ دونوں کو تین تین سو روپے مبارک ہوں

پیارے بچوں!!!

آپ سب کو عید کی ڈھیروں خوشیاں مبارک ہوں!

پیارے بچوں! کیا آپ کو معلوم ہے کہ عید الفطر کے بعد شوال میں بھی روزے رکھے جاتے ہیں۔ جس کی فضیلت میں آتا ہے کہ جو شخص شوال کے چھ روزے رکھتا ہے اس کے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

خوب کی بات یہ ہے کہ چھ روزے اکٹھا ایک ساتھ رکھنا ضروری نہیں پورے مہینے میں کسی بھی دن رکھ کے چھ روزے پورے کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی عبادت بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جس طرح رمضان میں پورے مہینے گناہوں سے بچتے ہوئے خوب نیکیاں کی ہیں۔ بالکل اسی طرح پورے سال عبادت کریں۔ اس لیے ہمیں یہ بات بھی طے کرنی چاہیے کہ رمضان کے بعد بھی تلاوت قرآن کا اہتمام کریں گے اور جھوٹ بولنے، دوسروں کی برائی کرنے سے بچیں گے۔ کسی کو بری نگاہ سے دیکھنے سے بچیں گے، دوسروں کے کام آنے کی کوشش کریں گے۔

تو پیارے بچوں کرتے ہیں نا وعدہ۔ گناہوں سے بچنے اور خوب نیکیاں کرنے کے ارادے کا۔

ماہنامہ فہم دین مئی 2022ء کے سوالات

سوال نمبر1: کس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے تھے؟

سوال نمبر2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی کا نام کیا ہے؟

سوال نمبر3: مدینہ میں منافق کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں؟

سوال نمبر4: علی نے کفار کو شکست کس کے ساتھ کیا دیا؟

سوال نمبر5: عید سے پہلے کیا کیا جاتا ہے؟

فروری 2022ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر1: حضرت عباس، حضرت علی کے الفاظ ہیں۔
جواب نمبر2: دو بیٹ کی پرستش کرو تھا۔
جواب نمبر3: حضرت عبداللہ شمس کا درزی تھا۔
جواب نمبر4: غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔
جواب نمبر5: سیرت نبی کے مطالعہ کے بعد معاف کیا۔

فروری 2022ء کے سوالات کے درست جوابات دینے پر کراچی سے

فرحانہ معین، کراچی

کو شاباش۔ انھیں تین سو روپے مبارک ہوں

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ بھیجیں اپنا نام، عمر، کلاس، اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کریں

03162339088

فروری 2022ء میں بلاعنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے جامعہ بیت السلام کراچی سے سبینہ ... کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔ انہوں نے عنوان دیا ہے ... انھیں تین سو روپے مبارک ہوں

بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے

بچوں نے عید پر جب نعرے بہت لگائے
ماں باپ نے بھی اپنے دکھڑے انہیں سنائے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

تم خود ہی کہہ رہے ہو مہنگائی بڑھ گئی ہے
عام آدمی بچارا کیا کھانے کیا بچائے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

پتلون کی سلائی پچانوے روپے دی
عرفی کے بوٹ ساڑھے چھ سو روپے میں آئے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

بے میل سوٹ ہو تو بن جائے منہ زمن کا
سستی اگر ہو ٹوپی فیضان بھنبھنائے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

بچپن میں کھیلتے تھے مٹی کے ہم کھلونے
بجلی سے چلنے والے گڈے تمہیں دلائے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

جائز نہیں تقاضا، لالچ بری بلا ہے
نعرے لگا کے تم نے گھر بھر پہ ظلم ڈھائے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

تم نے تو اپنے دل کی امی سے کہہ سنائی
ابا کے دل سے پوچھو، بپتا کسے سنائے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

یہ بات بھی گرہ میں پیوں کے ساتھ باندھو
سچی خوشی وہی ہے جو مفت ہاتھ آئے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

اچھا ہمیں سویاں مل جل کے تم کھلاو
ہم نے تمہارے پیسے اس عید سے بڑھائے
بچو! تمہاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟

درس جو رمضان کا ہے مت بھلاو مومنو!

آج یومِ عید ہے خوشیاں مناو مومنو!
پر مسرت دن ہے کچھ میٹھا بھی کھاو مومنو!

عید کا دن ہے لگاو ایک دوجے کو گلے
اس طرح اپنے گلے شکوے مٹاو مومنو!

جس طرح رمضان میں جاتے تھے زوق و شوق سے
اسی طرح شوال میں مسجد میں جاو مومنو!

ہے مٹھائی، کھیر ہے، چھولے سویاں بھی تو ہیں
یوں خدا کے رزق میں سے خوب کھاو مومنو!

ہے خوشی کا دن، ملو سب رشتداروں سے ضرور
ایک دوجے کے گھروں میں آو جاو مومنو!

مفلسوں کو یاد رکھو اس مسرت کی گھڑی
تم جو کھاتے ہو، وہی ان کو کھلاو مومنو!

نیکیوں کی جو تمہیں توفیق دی اللہ نے
اس روایت کو نہ ہرگز تم مناو مومنو!

آج کے دن تم بھلا کر ہر طرح کے اختلاف
ایک ہیں ہم سب، یہ دنیا کو دکھاو مومنو!

عید کا دن رب کی جانب سے بڑا انعام ہے
جو تمہیں تقوی ملا، اس کو نبھاو مومنو!

پیامِ عید

ارسلان اللہ خان

شوّال ساتھ لایا ہے اپنے پیامِ عید
ہے روزہ داروں کے لیے عیشِ دوامِ عید

اللہ نے دیا ہمیں روزوں کا یہ صلہ
لازم ہے مومنوں پہ، کریں احترامِ عید

ہر ایک سے خوشی سے کرو تُم مُعانقہ
برِّ صغیر میں ہے یہ طرزِ سلامِ عید

شائستگی، وقار، خُلوص اور سادگی
دُنیا سے مُنفرد ہے بہت احتشامِ عید

ہے لفظ عید ہی میں مَسرّت کی جھلکیاں
کوئی بھی ہو خوشی، اُسے دیتے ہیں نامِ عید

جگ میں طرح طرح کے ہیں تہوار دوستو!
لیکن سبھی سے اونچا ہے بے شک مقامِ عید

اللہ نے بنایا ہے اس کو خوشی کا دن
تو ارسلان کیوں نہ کریں اہتمامِ عید

گلدستہ

ترتیب: عبدالرحمن چترالی، شیخ ابوبکر، متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

بکھرے موتی

کام یابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ دل و جان سے کام یابی حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں۔

۔ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ عزت و احترام اور پیار مانگنے سے نہیں، دینے سے ملتا ہے۔

۔خالق سے تعلق کے بعد مخلوق کی خدمت واجب ہوجاتی ہے۔

۔جب آپ منظّم ہوجاتے ہیں تو آپ کے خیالات کو بھی تنظیم مل جاتی ہے۔

۔بستر اور نیند یکساں ہونے کے باوجود خواب سب کے جدا جُدا ہوتے ہیں۔

۔قدرت آپ کی محنت کا پھل ضرور دیتی ہے، بس کبھی کبھی پھل دینے کا وقت بدل دیتی ہے۔

۔اللہ آپ سے محبت کرنے لگے تو لوگوں کے دلوں میں آپ کے لیے محبت ڈال دیتا ہے۔

۔صرف بولنا ہی نہیں چپ رہنا بھی بڑا کام ہے۔

۔ہیرو منفی حالات میں خیالات کو مثبت رکھنے کی طاقت رکھتا ہے۔

۔سلام اس ذات کو جو دلوں میں جذبے ڈال کر عام لوگوں سے خاص کام لے لیتی ہے۔

(قاسم علی شاہ کی ”ذرا نم ہو“ سے محمد حذیفہ کا انتخاب)

اپنے احساس کی اصلاح کریں

غریب وہ ہے جس کا حاصل اس کی آرزو سے کم ہو، جس کی آرزو حاصل سے کم ہو وہ امیر ہے۔ یا یوں کہ غریب وہ ہے جس کا خرچ اس کی آمدن سے زیادہ ہو۔ امیر وہ ہے جس کی آمدن خرچ سے زیادہ ہے۔ غریب اگر اپنی آرزو اور خرچ کم کردے تو آسودہ ہوجائے گا۔ اگر اپنے سے امیر لوگوں سے مقابلہ کرے گا تو کبھی آسودہ نہ ہوگا۔ پستیوں کی طرف دیکھو، آپ بلند نظر آؤ، بلندی کی طرف دیکھو تو پست۔ پس امیری غریبی، بلندی پستی احساس ہے۔ اپنے احساس کی اصلاح کریں۔

(کرن کرن سورج، ص:۶۳، واصف علی واصف)

بکھرے موتی

کسی بھی کام، پیشہ، کاروبار وغیرہ کو شروع کرنے سے پہلے علمائے کرام سے دریافت کرلیں کہ یہ کام میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟ جس طریقے سے کررہا ہوں وہ طریقہ حلال ہے؟ علمائے کرام سے اپنے مسائل پوچھتے رہیں۔ حرام سے بچنے کی فکر اور حلال کی طلب اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی حرام کام سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس کو عطا فرمادیتے ہیں۔

(تربیتی بیانات، ص:۱۲۴، محمد حنیف بن عبدالمجید)

حمد باری تعالیٰ

لفظوں سے بالا ہے تیری شان اللہ
کہتا ہے یہ دل فقط سبحان اللہ
بکھرے ہیں ہر سو نظارے تیرے
صحرا ہو کہ بیابان اللہ
ذرہ ذرہ تیرے جمال کا مظہر
ہر شے میں ہورہا ہے تیرا بیان اللہ
کواکب، ارض وسما، شمس وقمر یہ دوجہاں
تیری قدرت کے ہیں سب نشان اللہ
مدعا ہے یہ، التجا ہے یہ، میری دعا ہے
میرے دل کا رہے تو ہی ارمان اللہ
رگِ جاں سے بھی ہے تو قریب تر
تیری ابتدا مومن کا عرفان اللہ
قربان تجھ پر کیا کروں اور میں
میرے پاس فقط ہے میری جان اللہ
ہوجائے میری زندگی معتبر شانیؔ
بنا دے مجھے جو، ثناء خوان اللہ

(شاعر: شانیؔ)

خوشی اور اطمینان

خوشی اور اطمینان آخری لیکن اہم چیز ہے، جس کے لیے لوگ کام کرتے ہیں، جو لوگ اپنی پسند کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے شوق کو کام بنالیتے ہیں۔ ان کے لیے اپنے کام سے بڑھ کر خوشی اور اطمینان دینے والی چیز کوئی اور نہیں ہوتی۔ لوگ خوش اور مطمئن ہوں تو معاشرے میں امن قائم رہتا ہے اور معاشرہ ترقی کرتا ہے۔

(زندگی کے راستے جینے کے ہنر، ص:۲۸، عبدالسلام سلامی)

اشعار

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذتِ نیاز نہیں
اقبالؔ

یہی ہے عظمتوں کا اِک اصول جاوداں حضور
امیر کو شجاعتیں، غریب کو وقار دو
ساغرؔ

چلا کر نہیں جس نے چل کے دکھایا
کوئی اس کا احسان کیونکر نہ مانے
تائبؔ

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روزِ محشر تک
نہ اک مُو کم ہوا اپنا، نہ اک تارِ کفن بگڑا
آتشؔ

جب کائنات گم تھی اذانِ بلالؓ میں
روح بلالؓ گم تھی نبیؐ کے خیال میں
امیدؔ فاضلی

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہوگئیں
غالبؔ

دورِ عدم سے آگے، عہد و سماں سے آگے
احمد کا کارواں ہے، ہر کارواں سے آگے
رحمت اللہ شاہ عباسی

کچھ ہاتھ نہ آئے گا فقیرانہ روش سے
کشکول جو ٹوٹے گا تو پھر بات بنے گی
انور مسعودؔ

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا
حالیؔ

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے
ظہیر کاشمیری

جھوٹ کا پہاڑا

مفتی محمود گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاری محمد طیب صاحب کو جھوٹ کا پہاڑا سنایا۔ انھوں نے بہت پسند کیا اور لکھ کر گھر لے گئے۔ وہ یہ ہے کہ ---- جھوٹ اکن جھوٹ --- جھوٹ دُونی مبالغہ ---- جھوٹ تیا بہانہ ---- جھوٹ چوکا دھوکہ--- جھوٹ پنجے سفید جھوٹ ---- جھوٹ چھکے تہمت--- جھوٹ ستے بہتان ---- جھوٹ اٹھے عذر ---- جھوٹ نم نفاق---- جھوٹ دَہَا کفر۔

(بکھرے موتی، ص:۶۰، اسحاق ملتانی)

حسنِ سلوک اور ایثار

خود تو کئی کئی دن بغیر کھائے پیے گزار دیا کرتے تھے اور کبھی صرف دو تین بادام کھالینا بھی ان کے لیے کافی ہوتا تھا، لیکن دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک کے معاملہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کو ہر ماہ پانچ سو درہم کی آمدنی ہوتی تھی، یہ ساری رقم وہ فقرا و مساکین اور طلبا و محدّثین پر خرچ کردیا کرتے تھے۔

(تحفۂ طالب علم و تذکرۃ اہل علم، ص:۱۹۲، محمد خبیب نقشبندی)

افغانستان، شیر دل مسلمانوں کا مسکن

افغانستان کے باشندوں کی حمیتِ ایمانی اور دینی جوش و جذبے کا تذکرہ کرتے ہوئے عالمِ عرب کے نامور مؤرّخ امیر شکیب ارسلان بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں:

”میرے رب کی قسم! اگر ساری دنیا میں اسلام کی نبض ڈوب جائے، کہیں بھی اس میں زندگی کی رمق باقی نہ رہے، تب بھی کوہِ ہمالیہ اور کوہِ ہندوکش کے درمیان بسنے والوں میں اسلام زندہ رہے گا اور ان کا عزم جوان رہے گا۔“

قرونِ اولیٰ کی ایک نامور ہستی حضرت قتیبہؒ کے بقول یہ ملک اللہ کی کمان ہے، جس سے وہ اپنے دشمنوں پر تیر برساتا ہے۔ (تاریخِ افغانستان، ص:۲۰، مولانا اسماعیل ریحان)

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کو جس چیز سے خوشی اور راحت ہو، بندے کو بھی اس سے خوشی اور راحت ہو اور جس چیز سے اللہ اور رسول ﷺ کو ناگواری ہو، بندے کو بھی اس سے ناگواری اور تکلیف ہو اور تکلیف جس طرح تلوار سے ہوتی ہے اسی طرح سوئی سے بھی ہوتی ہے۔ پس اللہ و رسول ﷺ کو ناگواری اور تکلیف کفرو شرک سے بھی ہوتی ہے اور معاصی سے بھی، لہٰذا ہم کو بھی معاصی سے ناگواری اور تکلیف ہونی چاہیے۔

(اکابرین تبلیغ کے ملفوظات، ص:۱۲۳، مولانا منظور نعمانیؒ)

مجبوروں اور لاچاروں کا سہارا

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

- رفاہ عامہ کے متعدد شعبہ جات میں ہر سال کروڑوں لوگ استفادہ کرتے ہیں

- **تعلیم:** بنیادی دینی اور ابتدا ئی عصری تعلیم سے لے کر اعلی دینی اور عصری تعلیم تک کے لیے بیت السلام کے بیسیوں اداروں میں30ہزارکے لگ بھگ طلبہ زیر تعلیم ہیں جن میں سے تقریبا ڈھائی ہزار طلبہ کی رہائش کھانے اور علاج سمیت مکمل کفالت کی جاتی ہے۔
- **یتیموں کی کفالت:** سائبان پروگرام کے تحت اس وقت500یتیم بچوں کو تعلیم و تربیت، خوراک، رہائش اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی ہیں
- **راشن فراہمی:** 60 ہزار افراد کو مستقل بنیادوں پر ماہانہ راشن فراہم کیا جاتا ہے۔
- **مالی امداد:** زکوۃ کے مستحق مفلوک الحال بیواؤں، معذوروں اور عمر رسیدہ ڈھائی ہزار سے زیادہ افراد کی ہر ماہ مالی مدد کی جاتی ہے۔
- **فوڈبنک:** روزانہ ہزاروں مستحقین کو ان کی دہلیز پہ پکا پکایا کھانا پہنچایا جاتا ہے۔
- **بیت السلام دستر خوان:** روزانہ تقریبا7 ہزار سے زیادہ افرد مستفید ہوتے ہیں۔
- **عیدِ قرباں:** ملک کے طول وعرض میں70لاکھ سے زیادہ لوگوں میں گوشت تقسیم کیا گیا۔
- **گوشت تقسیم:** اہل خیر کی طرف سے سال بھر عقیقے اور صدقے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس سال تقریبا 1 لاکھ 75 ہزار افراد تک گوشت پہنچایا گیا۔
- **تحفہ رمضان:** رمضان میں ہزاروں افراد کے لیے سحری و افطاری کے انتظام کے علاوہ تقریبا 80ہزار افراد میں راشن تقسیم کیا گیا۔
- **فراہمی آب:** یوں تو درجنوں مقامات پر سال بھر پانی فراہمی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس سے ہزاروں لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ اس سال کراچی اور اندرون سندھ کی درجنوں بستیوں کے ہزاروں افراد کے لیے 4 آراو پلانٹ لگا ئے گئے ۔25مقامات پر بورنگ کروائی گئی جب کہ کئی جگہ پمپ کی تنصیب کی گئی اور اندرون سندھ2 مقامات پر پانی کی پائپ لائن بچھا کر پانی جمع کرنے کے لیے حوض بنوائے گئے۔
- **طبی امداد:** مفت طبّی کیمپوں، کورونا ویکسین فراہمی، مستقل کلینکل خدمات کے علاوہ بیسیوں ضرورت مند افراد کے علاج سمیت سال بھر میں 80ہزار سے زیادہ افراد کو فائدہ پہنچا۔ علاوہ ازیں دس ایمبولینسیں مصروف خدمت رہتی ہیں۔
- **متفرق خدمات:** موسم سرما میں 12ہزار کمبل تقسیم کیے گئے۔ پس ماندہ بستیوں کے ہزاروں افراد میں حسب معمول گرم کپڑے سویٹر شالیں اور جیکٹیں وغیرہ تقسیم کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ 98معذور افراد میں ویل چیر تقسیم کی گئیں۔ اس کے علاوہ میت گاڑی، فراہمی کفن، کلاتھنگ بنک سمیت متعدد شعبہ جات سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا۔جب کہ درس و تدریس وعظ و تبلیغ، رسائل، میگزین اورسوشل میڈیا سے بلامبالغہ لاکھوں افراد مستفید ہوئے۔

زکوٰۃ ایک فریضہ

صرف قابلِ اعتماد ہاتھوں سے

تعلیم

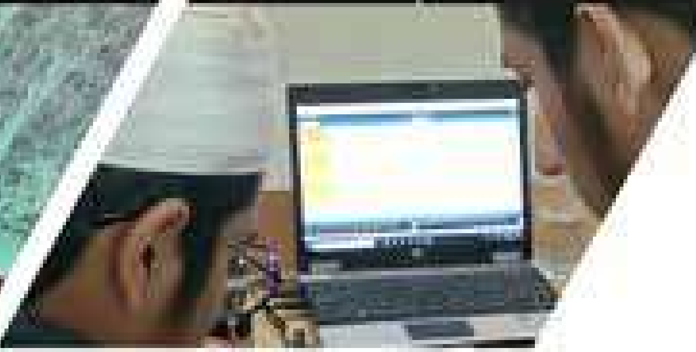

صحت

خدمت

ہو فرض بھی ادا